اللہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت) حاصل کریں

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کتابچہ نمبر 24

شاہراہِ معرفت

اکابر بالخصوص مجددین رحمہم اللہ کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمہم اللہ

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت کاکا صاحبؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور
حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے
کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 24

(رمضان۔1445ھ) بمطابق (اُحد۔الاحزاب۔1402 شمسی ہجری)
بمطابق (مارچ۔اپریل۔2024ء)

زیرِ سرپرستی
حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہٗ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمّت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات
زین العابدین صاحب مدظلہٗ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ
مکان نمبر CB-1991/1 ۔بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ
گلی نمبر 4 ۔نزد آشیانہ چوک۔اللہ آباد ۔ویسرڈج 3 ۔راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	
1	دیباچہ	2
2	حمد باری تعالی	4
3	نعت رسول اکرم ﷺ	5
4	کلام	6
5	مطالعہ سیرت بصورت سوال	7
6	خواتین بیان	9
7	تعلیمات مجددیہ	32
7	مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ	58
8	توضیح المعارف(قسط 13)	73
9	خانقاہ کے شب و روز	79

دیباچہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کے ماہانہ کتابچے "شاہرائے معرفت" کا چوبیسواں شمارہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔

شمارے کی ابتدا سابقہ ترتیب سے ہی کی گئی ہے یعنی حمد و نعت اس کے بعد ایک کلام شامل کیا گیا ہے۔

شمارے میں رمضان المبارک کی مناسبت سے نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں پہلا مضمون "مطالعۂ سیرت بصورتِ سوال" کے عنوان سے ہے جس میں رمضان المبارک کی تیاری کے سلسلے میں رہنمائی کی گئی ہے۔دوسرے مضمون میں اسی ماہِ مقدس کے فضائل اور مسائل کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جاسکے۔

گزشتہ شمارے میں "توضیح المعارف" کی قسط نمبر 12 شامل کی گئی تھی جس میں فاطر و مفطور کے درمیان اتحاد اور مغایرت کو ایک جدید مثال کے ذریعے سمجھانے کے بعد تصوف کی چند اصطلاحات ذکر کی گئی تھی۔ اس شمارے میں قسط نمبر 13 شامل کی جارہی ہے جس میں مسائلِ توحید کے بارے میں مختلف نظریات کو ذکر کرنے کے بعد اس بارے میں محققین کے مسالک کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں سے عقائد کے بعد اب اعمال کے بارے میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

مکتوبات اور ان کی تشریح کو شامل کیا جارہا ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں سے درس نمبر 21 شامل کیا گیا ہے۔ جس میں قرآن مجید کے اسرار و معانی اور حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معانئ قرآن کے متعلق علم کو بیان کیا گیا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

سید شبیر احمد کاکاخیل مدظلہ

حمد شریف

تیرا احسان الٰہی ہے کہ انسان ہوں میں

تیرا احسان الٰہی ہے کہ انسان ہوں میں
مزید اس پر شکر تیرا کہ مسلمان ہوں میں

اپنے محبوب کے واسطے مجھے قبول فرما
شکر تیرا تیرے حبیب کا مہمان ہوں میں

میں گناہ گار بہت ہوں مگر غفار ہے تو
نہیں عدل کا مگر طالبِ احسان ہوں میں

میری رگ رگ میں حقیقت میں محبت ہو تیری
چاہوں کہ ذکر سے تیرے رطب اللسان ہوں میں

سب سے کٹ کر تیرا بن جائے اب شبیرؔ مولا
چاہوں ہر غیر سے تیرے اب گریزان ہوں میں

نعت شریف

بے شک یہ جو ہوا اچھا نہ ہوا

کتنی بڑی جگہ تھی جس میں تھے ہم
جو ادب چاہیئے تھا یہاں نہ ہوا

قلق دل کو ہے کہ اس دفعہ مجھ کو
قدموں میں آپ کے بیٹھنا نہ ہوا

لیکن اس پر بھی شفقتیں جو ملیں
اف مرے اللہ کیا سے کیا نہ ہوا

دہلیز پہ حسن کے شبیرؔ عشق کا
جو تھا ہونا وہ عہد وفا نہ ہوا

: نورِ معرفت

نعت (کلام)

اف یاں رہنے کا حق ادا نہ ہوا
بے شک یہ جو ہوا اچھا نہ ہوا

کتنی بڑی جگہ تھی جس میں تھے ہم
جو ادب چاہیئے تھا یہاں نہ ہوا

قلق دل کو ہے کہ اس دفعہ مجھ کو
قدموں میں آپ کے بیٹھنا نہ ہوا

لیکن اس پر بھی شفقتیں جو ملیں
اف مرے اللہ کیا سے کیا نہ ہوا

دہلیز پہ حسن کے شبیرؔ عشق کا
جو تھا ہونا وہ عہد وفا نہ ہوا

: نورِ معرفت

مطالعہ سیرت بصورت سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

سوال:

آپ ﷺ رمضان المبارک کے لئے کس طرح کی تیاری فرماتے تھے؟

جواب:

اگر وہ حدیث شریف دیکھ لی جائے کہ آپ ﷺ نے شعبان کا مہینہ کیسے گزارا، تو اس سے پتا چل جائے گا کہ آپ ﷺ رمضان المبارک کی تیاری کیسے کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ شعبان کے مہینہ میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ یہ روزہ کی تیاری ہو گئی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے شعبان کے اخیر میں فضائل پر بیان فرمایا۔ اس لئے ہمیں شعبان کے مہینہ میں فضائل پڑھنے چاہئیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ رمضان پر کتاب لکھی ہے، بڑی پیاری کتاب ہے۔ یہ کتاب فضائلِ اعمال میں شامل ہے، اس کو کئی بار پڑھنا چاہئے، اتنی بار پڑھنا چاہئے کہ مستحضر ہو جائے، یعنی عین وقت پر یاد رہے۔ اکثر لوگ بس مختصر سا پڑھ لیتے ہیں یا سن لیتے ہیں۔ اس طرح نہیں، بلکہ طلب کی نگاہ سے پڑھیں۔ یعنی اس کو یہ پتا ہو کہ مجھے اس کے ذریعے سے یہ معلوم ہو گا کہ میں رمضان شریف کیسے گزاروں۔ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص ویزا لگوانے کے لئے جا رہا ہے، حج پہ جانا چاہتا ہے یا کہیں اور جانے کے لئے ویزا لگوانے کے لئے جا رہا ہے۔ وہاں اگر اس کو کوئی ایسا ساتھی مل جائے، جو یہ بتائے کہ ویزا لگوانے کے لئے کیا کیا کرنا پڑتا ہے اور کیا کیا طریقہ کار اختیار کرنا پڑتا ہے، وہ کتنا خوش ہو گا، اس کی بات کو کیسے سنے گا؟ ویسے casual طریقہ سے نہیں سنے گا۔ بلکہ اس کی بات کو ایسے سنے گا کہ کوئی چیز بھی رہ نہ جائے۔ بار بار پوچھے گا کہ یہ

کیسے کرنا ہے؟ یہ کیسے کرنا ہے؟ یہ کیسے کرنا ہے؟ وہاں سپیشلی لوگ بیٹھے ہوتے ہیں، جو فارم بھرنے میں بھی مدد کرتے ہیں اور طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس چیز کی اہمیت کو سمجھتے ہیں کہ اگر میں نے کوئی غلطی کی، تو سب reject ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ بات کہ ہم رمضان شریف کیسے گزاریں، اس کے لئے احادیث فضائلِ رمضان میں موجود ہیں، ان کو ہم بار بار پڑھیں، بار بار سنیں، سنائیں، تاکہ ہم لوگوں کو ان کی سمجھ بھی آ جائے اور مستحضر رہے۔ مثلاً: بعض لوگ ویسے ہی عادتاً روزہ رکھ لیتے ہیں، لیکن روزہ کی برکات سے آگاہ نہیں ہوتے، اس لئے اس کے لئے اتنا زیادہ اہتمام نہیں کرتے، جتنا کہ ہونا چاہئے۔ مثلاً: افطاری کے وقت کا کیا طریقہ ہونا چاہئے، سحری کے وقت کا کیا طریقہ ہونا چاہئے، روزہ میں کن کن چیزوں سے بچنا چاہئے، کون کون سے کام بہترین ہیں، کون کون سے کام ہمیں کرنے چاہئیں۔ پھر اعتکاف کے کیا مسائل ہیں، اعتکاف کیا چیز ہے، اس کی کیا کیا برکات ہیں۔ یہ ساری چیزیں ہمیں پہلے سے معلوم ہونی چاہئیں، تاکہ رمضان شریف میں ہم سے کوئی چیز رہ نہ جائے۔ رمضان آتا ہے اور اتنی تیزی سے گزر جاتا ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ میں نے تو کئی دفعہ محسوس کیا کہ ابھی شروع ہوا اور ابھی پتا چلا کہ رمضان شریف گزر رہا ہے۔ اس لئے ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، بوجھ نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھنا چاہئے اور ہے بھی ایسے ہی۔ اس کا پہلا عشرہ رحمت ہے، دوسرا عشرہ مغفرت ہے اور تیسرا عشرہ جہنم سے خلاصی کا ہے۔ لہٰذا رمضان اسی اہمیت کے پیشِ نظر گزارنا چاہئے، بالخصوص آخری عشرہ میں تو انسان کو جان توڑ کے محنت کرنی چاہئے۔ آپ ﷺ کے بارے میں بھی یہی آتا ہے کہ آخری عشرہ میں آپ ﷺ کمر کس لیتے تھے، خود بھی جاگتے تھے اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی جگاتے تھے۔ لہٰذا ہمیں فکر ہونی چاہئے کہ کوئی لمحہ جو ہم حاصل کر سکتے ہیں، وہ ہم سے رہ نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

خواتین بیان

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ: 183)

"عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ آخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰہُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْ رِزْقِ الْمُؤْمِنِ، مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهِ، وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ" قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ الصَّائِمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُعْطِي اللّٰہُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ، وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰہُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ، وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ، وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ، وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهِ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰہُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ"۔ (شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر: 3336)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ۔

جو بھی عمل کا موقع آتا ہے، اس سے پہلے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اس چیز کی فضیلت کیا ہے، تاکہ عمل کا شوق بڑھے اور اس پر عمل کی توفیق ہو۔ دوسرا یہ کہ اس کے مسائل کا پتا چلے، تاکہ جب وہ عمل کرنے لگ جائے،

تو عمل قبول بھی ہو جائے، عمل صحیح بھی ہو۔ آپ ﷺ نے بھی شعبان کے آخر میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا، کیونکہ رمضان شریف آنے والا تھا، لہٰذا صحابہ کرام کو اس خطبہ میں انتہائی مختصر اور جامع انداز میں رمضان شریف کے فضائل بتائے۔ یہ جامعیت اور اختصار کسی اور کے حصہ میں نہیں ہے جو آپ ﷺ کو عطا ہوا ہے کہ علوم کے سمندر کو چند فقروں میں سمو دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے اور یہ مبارک مہینہ ہے۔ برکتوں والا مہینہ ہے۔ اس میں ایک رات ہے۔

شہرِ مبارک فرما کر اب اس کی تفصیل بتائی جا رہی ہے کہ وہ برکتیں کس قسم کی ہیں۔ برکت کس چیز کو کہتے ہیں؟ برکت یہ ہے کہ انسان کام تھوڑا کرے اور اس پہ اجر زیادہ ملے۔ پیسے کم ہوں، ان سے کام زیادہ ہو جائے۔ افراد کم ہوں، لیکن وہ غالب آ جائیں۔ یہ برکت ہے۔ اس طرح بعض لوگوں کے مال میں برکت دی جاتی ہے، بعض کے اعمال میں برکت دی جاتی ہے، بعض کے افراد میں برکت دی جاتی ہے۔ یعنی اللہ پاک نے برکت ہر چیز میں رکھی ہے، جب وہ چاہے۔ اس رمضان شریف میں اللہ پاک نے برکت رکھی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا "شَهْرٌ مُبَارَكٌ"۔ اب یہ برکت کس قسم کی ہے؟ سب سے پہلے جو قسم بتائی ہے، وہ لیلۃ القدر کی ہے: "شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ" کہ اس میں ایک رات ہے، جو ہزار مہینوں سے افضل رات ہے۔ یہ کوئی شاعرانہ بات نہیں ہے، یہ بڑی پکی بات ہے۔ یہ جو آپ ﷺ نے فرمایا ہے، قرآن میں بھی اسی قسم کی بات آئی ہے: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ (القدر: 3-1)

ترجمہ: "بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے"۔ (آسان ترجمۂ قرآن از مفتی تقی عثمانی صاحب)

پس اگر کسی کو پتا نہ ہو، تو اس کو پتا چلنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ پھر تو ویسے ہی گزر جائے گا۔ اس کو پتا ہوگا کہ اس میں تو یہ بھی مل سکتا ہے، تو ممکن ہے

کہ وہ کام کر لے گا، عمل کر لے گا۔ لیکن اگر پتا نہیں ہے اور ایسے گزر جائے، تو بعد میں صرف حسرت ہی ہو گی۔ اس حسرت سے بچنے کے لئے چیزوں کو جاننا ضروری ہے۔ جیسے بعض جگہوں پر ہم دیکھتے ہیں کہ لگتا ہی نہیں کہ رمضان شریف کا مہینہ آیا ہے۔ اور اس میں غریب اور مال دار کی تخصیص نہیں ہے اور ظاہری طور پر ہوشیار اور سادہ کی بھی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ آپ کو ما شاء اللہ ایسے غریب ملیں گے، جو جون اور جولائی کے مہینہ میں پتھر کوٹیں گے، لیکن روزے کے ساتھ ہوں گے۔ ہم نے دیکھے ہیں ایسے لوگ۔ اور ایسے سست مال دار بھی ملیں گے، جو ایئر کنڈیشن میں بیٹھے ہوں گے، لیکن روزہ نہیں رکھا ہو گا۔ بلکہ بعض جو چھٹیوں کا نظام بناتے ہیں، ایسا بنائیں گے کہ جس سے کھوجا خوروں کے لئے فائدہ ہو۔ کیونکہ جو رات کو جاگا ہو، اس کے لئے سہولت اس میں ہے کہ وہ دفتر لیٹ جائے اور لیٹ آ جائے۔ ایک تو اس کی نیند پوری ہو جائے گی، بعد میں تو نیند بڑی مشکل ہوتی ہے۔ لیکن طریقہ یہ اختیار کیا ہوا ہے کہ جلدی آ جاؤ۔ کیونکہ جن کا روزہ نہیں ہوتا، ان کو تو پروا نہیں ہوتی۔ اس لئے جلدی آ جاتے ہیں اور جلدی چلے جاتے ہیں، تاکہ دوپہر کا کھانا بھی کھا سکیں۔ اور روزہ داروں کا خیال نہیں ہوتا۔ بہر حال! ہر ایک کی اپنی اپنی نیت ہے۔ فرمایا: "جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً" اللہ تعالیٰ نے اس کا روزہ فرض قرار دیا اور "وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا" اور اس کے قیامُ اللیل کو ثواب کی چیز بنا دیا۔ "مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ" جس نے اس میں کوئی نفل عمل کیا، تو وہ ایسا ہے، جیسے اس نے فرض عمل کر لیا، یعنی نفل والوں کو فرضوں کا اجر مل گیا۔ دو رکعت نفل نماز پڑھی، تو دو رکعت فرض کا اجر مل گیا۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔ فرض تو ایک مستقل چیز ہے، نہ اس میں زیادتی کر سکتے ہیں، نہ کمی کر سکتے ہیں، عام قانون یہی ہے۔ زیادتی اس لئے نہیں کر سکتے کہ تم اپنی مرضی سے فرض بنا نہیں سکتے ہو۔ اور کم اس لئے نہیں کر سکتے کہ گناہ ہو گا، کیونکہ فرض کو چھوڑنا حرام ہے۔ نفل ایسی چیز ہے کہ آپ اس میں جتنا بڑھاؤ، بڑھا سکتے ہو۔ اس میں پابندی نہیں ہے۔ اور نہ پڑھے، تو گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا نفل جتنے بھی پڑھ لیں، آپ کے اوپر پابندی نہیں

ہے، دو نفل پڑھ لو، چار پڑھ لو، چھ پڑھ لو، آٹھ پڑھ لو، دس پڑھ لو، سو پڑھ لو، آزادی ہے۔ اور اجر فرضوں کا ملے گا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ غیرِ رمضان میں بھی رات کو سو رکعات نفل پڑھا کرتے تھے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب وہ فوت ہوئے، تو ان کے ایک پڑوسی کی بچی نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابو! ہمارے پاس والے گھر کی چھت کے اوپر ایک ستون تھا، وہ ستون اب نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ وہ شخص رو پڑے۔ کہتے ہیں کہ بیٹی! وہ امام ابو حنیفہ تھے، وہ ساری رات عبادت میں کھڑے ہوتے تھے۔ گویا اتنی کثرت کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے کہ بچوں نے ان کو ستون سمجھا ہوا تھا۔ در اصل ان حضرات کو اپنے اوقات کی قدر تھی۔ عام دنوں میں ان کا یہ حال تھا، تو رمضان شریف میں کیا حال ہو گا۔ اس لئے اگر کوئی شخص رمضان کی قدر کر لے، تو یقیناً بہت اجر ملے گا۔ نفلوں میں کوئی پابندی نہیں ہے کہ کتنا پڑھو اور سارا فرض بن جائے گا۔ اور آگے فرمایا: "وَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ" اور جس نے کوئی فرض عمل کر لیا، وہ ایسا ہے، جیسے اس نے ستر فرض ادا کر لئے۔ یعنی ستر گنا اجر ملے گا۔ یقین کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ عام دنوں میں جو ہم پانچ نمازیں پڑھتے ہیں، رمضان شریف میں وہی پانچ نمازیں 350 نمازیں ہوتی ہیں۔ یعنی ان کا اجر اتنا زیادہ ہوتا ہے۔ "وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ" اور یہ صبر کا مہینہ ہے۔ "وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ" اور صبر کا بدلہ تو جنت ہے۔ "وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ" اور یہ خیر خواہی کا مہینہ ہے، غم خواری کا مہینہ ہے۔ "وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْ رِزْقِ الْمُؤْمِنِ" اور یہ وہ مہینہ ہے، جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ "مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ" جس نے اس میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دیا، تو یہ اس کے لئے اس کے گناہوں سے مغفرت ہے اور آگ سے آزادی ہے۔ "وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ أَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَجْرِهٖ شَيْءٌ" اور اس کے لئے اس روزہ دار کے روزہ کے اجر کے برابر اجر ہو گا اور اس روزہ دار کے اجر سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ آگے دیکھیں! صحابہ کرام کیا کہتے ہیں: "قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ الصَّائِمَ" ہم نے کہا:

ہم میں سے ہر ایک میں تو اتنی استطاعت نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کو روزہ افطار کرائے۔ یعنی صحابہ کرام زیادہ تر غریب تھے۔ ایک دفعہ تابعین میں کچھ حضرات کپڑوں کے بارے میں بحث کرنے لگے کہ کتنے ہونے چاہئیں، بحث ذرا لمبی ہو گئی۔ ایک تو معلومات کی بات ہوتی ہے اور ایک ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ بات بڑھائے جاؤ۔ اس قسم کی صورت حال تھی اور بات بڑھنے لگی۔ ایک صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کپڑے تپائی پہ رکھے تھے اور گھٹنوں سے لے کے ناف تک مختصر لباس میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ تابعی جب آئے، تو انہوں نے پوچھا کہ حضرت! یہ کپڑے ناپاک ہیں، جو آپ نے اس طرح رکھے ہیں؟ فرمایا: نہیں، ناپاک تو نہیں ہیں۔ پوچھا: پھر آپ نے کیوں نہیں پہنے؟ فرمایا: تم جیسے بیوقوفوں کو سمجھانے کے لئے کہ اتنے کپڑوں میں بھی نماز ہو جاتی ہے، ہمارے پاس اُس وقت کپڑے تھے ہی کتنے، ہم ایک دوسرے کی اوٹ میں اپنے آپ کو چھپاتے تھے۔ ہماری یہ حالت تھی۔ بہر حال! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اکثر غریب تھے۔ خود آپ ﷺ کے گھر میں کتنے وقت کھانا نہیں ہوتا تھا، چولہا نہیں جلتا تھا۔ بہر حال! اس کے جواب میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "يُعْطِي اللهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَاءٍ" یہ ثواب تو اس شخص کو بھی مل جاتا ہے، جو تھوڑے سے دودھ کے ذریعے سے افطار کرا دے، یا کھجور کے ذریعے سے یا تھوڑے سے پانی کے ذریعے سے افطار کرا دے۔ "وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ" اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا، تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے سیراب کرائے گا۔ (یعنی حوضِ کوثر سے۔) پھر اس کے بعد جنت میں داخلہ تک اس کو پیاس نہیں لگے گی۔ اور جنت میں پیاس نہیں ہے، لہٰذا پیاس ہی نہیں لگے گی۔ "وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ" اور یہ وہ مہینہ ہے، جس کا پہلا حصہ رحمت ہے۔ "وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ" درمیانی حصہ مغفرت ہے اور "وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ" اور آخری حصہ جہنم سے خلاصی کا ہے۔ "مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللهُ لَهٗ وَأَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ" اور جس نے اپنے مملوک یعنی کسی باندی یا غلام کا بوجھ ہلکا کر دیا، تو اللہ جلّ شانہ اس کے گناہ معاف کر دیں

گے اور اس کو جہنم سے آزادی نصیب فرمائیں گے۔ دیکھیں! مختصر الفاظ میں آپ ﷺ نے کتنے فضائل بیان فرما دیئے اور اتنے اہم کہ ہم ان کو سمجھ جائیں، تو ہم کہیں کہ ہر وقت ہی رمضان شریف ہو۔ اس لئے رمضان کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہئے۔ جیسے کوئی convocation ہوتی ہے، تو جن لوگوں نے پی ایچ ڈی کی ہوتی ہے یا ماسٹر ڈگری کی ہوتی ہے یا کوئی اور بیچلر ڈگری کی ہوتی ہے، تو وہ بیچارے انتظار میں ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ دھوپ میں کھڑے ہوتے ہیں، کافی دیر کھڑے رہتے ہیں۔ کبھی کھانا بھی لیٹ ہو جاتا ہے۔ کیا اس وقت وہ خوش ہوتے ہیں یا نا خوش ہوتے ہیں؟ بہت خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کو صلہ ملنے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح رمضان شریف کے مہینہ میں دیا جاتا ہے۔ جب دیا جا رہا ہو، تو پھر بوجھ کی کیا بات ہے۔ ٹھیک ہے، تکلیف تو ہو گی۔ جیسے ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن وہ تکلیف خوشی میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم اس کو بوجھ کیوں سمجھیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے دینے کا ایک نظام ہے۔ رمضان شریف کے اعمال تو برتن ہیں، جن میں اللہ پاک اپنی طرف سے ہمیں وہ دیتا ہے، جو دینا چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ ذرائع ہیں، ان ذرائع کو اختیار کر کے ہم بہت زیادہ اللہ پاک سے پا سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ برائی کے دو sources ہیں، شیطان اور نفس۔ رمضان شریف کے مہینہ میں ان میں سے ایک source قید ہو جاتا ہے، یعنی شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے، وہ تو ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اب صرف نفس رہ گیا۔ لہٰذا نفس کو بچھاڑنے کے لئے، نفس کو قابو کرنے کے لئے محنت کافی تھوڑی ہو جاتی ہے۔ اور پھر اللہ جلّ شانہ کی طرف سے رمضان شریف کا جو مہینہ ہے اور اس میں روزہ رکھنے کا جو نظام ہے، وہ نفس کے اوپر پیر رکھنے کا بہت اعلیٰ نظام ہے، کیونکہ ہمارا نفس یہ ماننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرة: 183)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو"۔ (آسان ترجمۂ قرآن از مفتی تقی عثمانی صاحب)

اور تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ کے متعلق ارشاد ہے: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ (یونس: 63-62)

ترجمہ: "یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو ایمان لائے، اور تقوی اختیار کئے رہے "۔ (آسان ترجمۂ قرآن از مفتی تقی عثمانی صاحب)

اس کا مطلب ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے سے ولایت ملتی ہے۔ کیونکہ ایمان تو سب کو پہلے سے حاصل ہے، جتنے بھی مسلمان ہیں، سب ایمان دار ہیں۔ اب اس نے اس میں صرف تقویٰ کا اضافہ کیا اور ما شاء اللہ ولی اللہ بن گئے۔ اور ہر ایک کا تقویٰ مختلف ہے۔ تو کیا سارے برابر کے اولیاء اللہ ہوں گے؟ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات: 13)

ترجمہ: "در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو "۔ (آسان ترجمۂ قرآن از مفتی تقی عثمانی صاحب)

چنانچہ درجہ بدرجہ ہے۔ جو جتنا متقی ہے، اتنے درجہ کا وہ اللہ کے نزدیک ہے، معزز ہے، اس کا مقام ہے۔ اس لئے اپنے مقام کو اگر کوئی بڑھانا چاہے، تو رمضان شریف کا مہینہ اس کے لئے سپیشل ہے۔ اس میں انسان بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس میں ٹھیک کرنے کے دو sources ہیں۔ ایک دل ہے اور ایک نفس ہے۔ عقل کو استعمال کر کے یہ کام کرنے ہیں۔ ہمارا نفس مجاہدے سے ٹھیک ہوتا ہے اور ہمارا دل ذکر سے ٹھیک ہوتا ہے، ذکر سے دل صاف ہوتا ہے۔ اور اللہ جلّ شانہٗ نے رمضان شریف کے مہینہ میں قرآن کے پڑھنے کا نظام بنا دیا، تراویح میں ہم قرآن سنتے ہیں، تراویح بھی سنتِ مؤکدہ ہے اور اس کے اندر کم از کم ایک دفعہ پورا قرآن سننا یہ بھی سنت ہے۔ اگر کوئی تراویح میں قرآن سنتا ہے، تو اس سے اس کے دل پر اثر ہوتا ہے۔ اگر اس کو اپنے اوپر بوجھ سمجھے، تو وہ ایک علیحدہ بات ہے۔ اگر بوجھ نہ سمجھے، اس کو اپنا علاج سمجھے، تو پھر قرآن اثر دکھاتا ہے۔ میں اس پر ایک عجیب واقعہ سناتا ہوں۔ میرے خیال میں جس کی نظیر دنیا میں کسی اور چیز میں نہیں ملا کرتی۔ مثلاً: آپ کہیں accidently چلے جائیں اور وہاں آپ کو بڑا

Tough time ملے، پھر آپ ادھر جائیں گے؟ پھر آپ کبھی نہیں جائیں گے۔ لیکن قرآن اور رمضان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ہمارے شیخ کے ہاں رمضان شریف میں پانچ ختمِ قرآن ہوا کرتے تھے۔ ایک پہلے عشرہ میں، دوسرا دوسرے عشرہ میں، تیسرا چھ راتوں میں، چوتھا ستائیسویں کو اور پانچواں 28 29 کو۔ یہ حضرت کا معمول تھا، مجھ سے ایک صاحب فرماتے ہیں: شبیر! آپ ہمارے ہاں تراویح نہیں پڑھتے، کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: حضرت! آپ بہت زیادہ سنتے ہیں، میں اتنا زیادہ نہیں سن سکتا، اس وجہ سے میں ادھر نہیں آتا۔ کہنے لگے: چلو، ایک دن تو ہمارے ساتھ پڑھ لو، اگر مزہ آ گیا، تو باقی پڑھتے رہو، نہیں تو پھر نہ آنا۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے۔ نہ ان کو پتا تھا، جنہوں نے مجھے یہ بات کی ہے اور نہ مجھے پتا ہے کہ آج ستائیسویں ہے اور آج کیا معمول ہے۔ بہر حال! میں چلا گیا۔ در اصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشکیل ہوتی ہے، تو ان کے دماغ سے بھی بات اٹھا لی گئی۔ وہاں ایک ڈاکٹر صاحب تھے، ڈاکٹر لیاقت علی شام، ما شاء اللہ بہت اچھا قرآن پڑھتے تھے۔ صحت بھی اللہ تعالیٰ نے زبردست دی تھی۔ دو صفیں حضرت کے پیچھے لگی ہیں، حضرت بھی اس میں ہیں۔ میں آخری صف میں ہوں۔ تراویح میں قرآن کی تلاوت شروع ہو گئی، ایک پارہ پڑھ لیا، میں نے کہا کہ اب رکوع کر لیں گے۔ نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ اچھا، دوسرے پارہ پہ کر لیں گے۔ اس پر بھی نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ شاید سورۃ بقرہ کا ارادہ ہو۔ سورۃ بقرہ ختم ہو گئی، اس پر بھی نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ چلو، سورۃ آل عمران پر کر لیں گے۔ سورۃ آل عمران پر بھی نہیں ہوا۔ سورۃ النساء پر بھی نہیں ہوا۔ آگے بڑھتے جا رہے ہیں، بڑھتے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے، یہ تو معاملہ الٹا جا رہا ہے۔ خیر! دس پارے ہو گئے۔ جب دس پارے ہو گئے، پھر بھی رکوع نہیں کیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس کا ارادہ ہے کہ بیسویں پارہ پر ہی رکوع کرے گا اور پھر دس پارے دوسری رکعت میں پڑھے گا۔ یہ بالکل میرے ذہن میں آ گیا۔ میں نے کہا کہ بس ٹھیک ہے، جم جاؤ، جو کچھ ہونا تھا، ہو گیا۔ اب کیا درمیان میں چھوڑنا۔ جو اتنی تلاوت ہو گئی، وہ بھی ضائع ہو جائے گی۔ خیر! جم گیا۔ اور ما شاء اللہ بیس پارے پڑھ کر ہی اس نے رکوع کر لیا۔ اس کے

بعد دوسری رکعت میں شروع ہو گیا اور سورۃ الضحیٰ پہ رکوع کیا۔ جب سلام پھیرا، تو سحری کا وقت قریب تھا۔ مجھ سے ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اگر آپ کہیں جانا چاہتے ہیں، تو بے شک چلے جائیں۔ میں نے کہا کہ اب کدھر جاؤں۔ اب تو پوری رات گزر گئی۔ اس کے بعد چھوٹی تراویح تھیں، کیونکہ سورۃ الضحیٰ اور آخری حصہ اتنا زیادہ نہیں تھا۔ وہ بھی ہم نے پڑھ لیں۔ بتائیں! اگر کوئی اور چیز ہوتی، تو کیا اس کے بعد مجھے کبھی ادھر رخ کرنا چاہئے تھا؟ لیکن اس کے بعد میں مکمل بھرتی ہو گیا، پھر اگلے دن سے ہی وہ دو دن والا ختم تھا۔ وہ بھی الحمد للہ ان کے ساتھ کیا۔ اور پھر ہر رمضان ادھر جاتا تھا۔ ان کے آخری عشرہ میں شامل ہو جاتا تھا۔ چلو، یہ تو میرے ساتھ ہو گیا، آپ کہیں گے کہ تو تو دیوانہ تھا۔ یہیں کے حضرات کی بات بتاتا ہوں۔ قاری نور اللہ صاحب رمضان شریف میں یہاں ہمارے ہاں پڑھایا کرتے تھے، ان دنوں اسی ترتیب پہ الحمد للہ ہم چلتے تھے۔ وہ ایک ایک پارہ پڑھتے تھے۔ کچھ حضرات تھے، جو فیصل مسجد میں اعتکاف کرتے تھے۔ ان کو وہاں موقع نہیں ملا۔ کیونکہ وہاں قرعہ اندازی ہوتی ہے، ان کو چانس نہیں ملا۔ وہ مجبوراً ہمارے پاس آ گئے۔ ہماری سکیم میں فٹ ہو گئے۔ ایک ایک پارہ قاری نور اللہ صاحب پڑھتے تھے، ایک دن پتا نہیں، غلطی سے یا قاری نور اللہ صاحب کو کیا مزہ آیا کہ انہوں نے پانچ پارے پڑھ دیئے۔ ہم لوگ تو عادی تھے، ہم لوگوں کا تو مسئلہ نہیں تھا، لیکن جو نئے لوگ آئے ہوتے ہیں، ان کا اچھا خاصا مسئلہ ہوتا ہے۔ پانچ پارے تو انہوں نے سن لئے۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ بہت پریشان ہوں گے۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اب تو ایک پارہ سننا بہت آسان ہو گیا۔ گویا ساری رکاوٹ دور ہو گئی۔ لہٰذا وہ ابھی تک ہمارے ساتھ اعتکاف کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کسی اور جگہ گئے ہی نہیں ہیں۔ قرآن کے اندر جو کشش ہے، وہ نظر آتی ہے۔ کون سی کتاب ہے، جو الف ب اور زبر زیر اور سب چیزوں کے ساتھ پوری کی پوری ایک بچہ کو حفظ ہو جائے؟ کسی اور کتاب کی ایسی کوئی مثال نہیں ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے اس کلام کو معجزاتی کلام بنایا ہے، اس کے اندر جو اللہ نے رکھا ہوا ہے، اس کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پہ کلام کیا ہے کہ اس مہینے

میں قرآن کی برکات اتنی زیادہ ہیں کہ اگر کوئی اس مہینہ کو صحیح معنوں میں گزار لے یعنی اس کا حق ادا کرتے ہوئے گزارے، تو اس کا پورا سال بہت زبردست طریقے سے گزرے گا۔ اور اگر اس میں غفلت کی، تو پورے سال میں غفلت چھائی رہے گی۔ اور یہ بات بالکل ایسی ہی ہے۔ یہ تو رمضان شریف کے فضائل ہیں۔ یہ میٹھی میٹھی باتیں ہیں۔ بعض دفعہ بہت میٹھا کھانے سے بد ہضمی بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی ترش باتیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ اب ایک ترش بات سنو۔ وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پہ ممبر پہ چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہا۔ صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! نئی بات آپ سے دیکھ رہے ہیں۔ کیا بات تھی؟ فرمایا: جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور تین بد دعائیں کیں، ان پر میں نے آمین کہا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مجھ سے فرمایا گیا کہ ان پر آمین کہو۔ تو میں نے آمین کہا۔ جبرائیل علیہ السلام فرشتے ہیں، فرشتہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (النحل: 50)

ترجمہ: "اور وہی کام کرتے ہیں، جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔ (آسان ترجمۂ قرآن از مفتی تقی عثمانی صاحب)

لہٰذا یہ آمین اللہ نے کہلوایا۔ کیا اس میں عدمِ قبولیت کا کوئی چانس ہو گا؟ نہیں ہو گا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی سیڑھی پر یہ بد دعا دی گئی کہ اے اللہ! رمضان شریف کا مہینہ جس پر پورے کا پورا گزرے اور اس کی وجہ سے اس کی مغفرت نہ ہو، اے اللہ! اس کو تباہ و برباد کر دے۔ اور میں نے آمین کہا۔ اور دوسری بار فرمایا کہ جس کے سامنے آپ کا نام لیا جائے اور وہ درود پاک نہ پڑھے، تو وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ میں نے کہا آمین۔ تیسری بار فرمایا کہ جس کے سامنے والدین بڑھاپے تک پہنچ جائیں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکے، تو وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ میں نے کہا آمین۔ ذرا غور فرمائیں، تو یہ تین باتیں بہت اہم ہیں اور تینوں باتیں اصل میں ایک ہی category کی ہیں اور وہ ناشکری کی ہیں۔ یعنی جس پہ رمضان شریف اس طرح گزرا کہ اس میں اللہ کو اس نے راضی نہیں کیا اور رمضان کی قدر نہیں کی، تو یہ ناشکری ہے۔ کیونکہ اتنی بڑی نعمت اللہ

تعالیٰ دے رہے ہیں اور تم اس سے بھاگ رہے ہو۔ ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بچہ لایا گیا کہ مولانا صاحب یہ حفظ کر رہا ہے، لیکن اب اس میں دلچسپی نہیں لے رہا، آپ دعا کریں کہ اللہ جلّ شانہٗ اس کو توفیق دے دے۔ حضرت نے اس کو سامنے بٹھایا۔ وہاں حضرت کے چاروں طرف الماریاں بنی ہوئی ہیں اور ان میں سب کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ حضرت کا بہت مطالعہ تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ بیٹا! یہ ساری کتابیں ہیں۔ یہ ساری کتابیں قرآن کے ایک لفظ تک نہیں پہنچ سکتیں، تو تمہیں اللہ پاک اتنی بڑی نعمت دے رہا ہے اور تم اس سے بھاگ رہے ہو۔ اسی طرح رمضان شریف کا مہینہ بہت ہی برکتوں کا مہینہ ہے۔ لیکن اگر اس کو کوئی نہ لے اور اس کی قدر نہ کرے، تو یہ ناقدری ہے، ناشکری ہے۔ بعینہٖ اسی طرح آپ ﷺ کے جتنے ہمارے اوپر احسانات ہیں، خود بخود ہمارے دل سے یہ آواز آنی چاہئے تھی کہ بغیر کسی تحریک کے درود پاک پڑھیں اور اگر آپ ﷺ کا نام بھی سامنے لیا جائے، پھر بھی نہ پڑھیں، تو یہ ناشکری نہیں ہے، تو کیا ہے؟ اس طرح والدین ہماری دنیا کی خاطر کتنی محنتیں کرتے ہیں۔ اگر والدین کی بھی کوئی خدمت نہ کرے، تو یہ ناشکری ہے۔ اور ناشکری بہت خطر ناک چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (ابراهيم: 7)

ترجمہ: "اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا، تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا"۔ (آسان ترجمۂ قرآن از مفتی تقی عثمانی صاحب)

اس لئے ہم لوگوں کو رمضان شریف کی قدر کرنی چاہئے۔ بہر حال! الحمد للہ اللہ کا احسان ہے کہ رمضان بہت ہی قریب ہے، ان شاء اللہ۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا رجب میں کی تھی کہ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ"۔ رجب میں یہ دعا فرمائی تھی۔ الحمد للہ اب تو چند دنوں کی بات ہے۔ عافیت کی دعا کرنی چاہئے، قبولیت کی دعا کرنی چاہئے، توفیقات کی دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان شریف کے جملہ معمولات کو صحیح طریقہ سے کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ یہ بہت اہم بات ہے۔ بہر حال! میں عرض کر رہا ہوں کہ اس میں اللہ پاک بہت کچھ دیتے ہیں، اس کو سمجھنا چاہئے کہ کس کس رخ سے دے رہے

ہیں۔ اس میں سے ایک نعمت اعتکاف ہے۔ اعتکاف میں آپ اللہ جلّ شانہ کے گھر میں ڈیرہ ڈال لیتے ہیں کہ یا اللہ! جب تک میری مغفرت نہ ہو، میں نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ مسجد خدا کا گھر ہے۔ اس کیفیت میں انسان مسجد میں رہتا ہے۔ اور ماحول چونکہ مسجد کا ہوتا ہے، مسجد میں انسان وہ کام تو نہیں کر سکتا، جو کہ مسجد کے خلاف ہو، ورنہ بہت زیادہ نقصان ہے۔ ماحول بھی عبادت کا ہوتا ہے، لہٰذا مسجد میں رہ کر انسان کچھ نہ کچھ عبادت کر لیتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اعتکاف جس وقت چل رہا ہو، بے شک اس میں آدمی جائز وقت میں سو بھی جائے۔ یعنی جب نماز وغیرہ کا وقت نہ ہو، تو اس وقت میں سو بھی جائے، تو پھر بھی اس کو اعتکاف کا ثواب تو مل ہی رہا ہے، اعتکاف تو موجود ہے۔ ہر وقت اس کا عمل ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس کا وقت ضائع نہیں جا رہا۔ سب سے بڑی بات اعتکاف کے اندر یہ ہے۔ اور خواتین بھی اعتکاف کر سکتی ہیں۔ خواتین کا اعتکاف ہمارے اعتکاف سے زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ ہمیں تو مسجد جانا پڑتا ہے۔ جبکہ خواتین اپنے گھر کے اندر ہی مسجد بنا لیں، جگہ منتخب کر لیں اور اس میں جائے نماز ڈال لیں۔ وہیں سوئیں، وہیں جاگیں، وہیں عبادت کریں، وہیں کھانا کھائیں اور اگر وضو وغیرہ کی ضرورت ہو، تو اس کے لئے بیت الخلاء جا سکتی ہیں۔ لیکن للہ فی اللہ اپنا وقت گزاریں۔ ما شاء اللہ اس کا بہت زیادہ فائدہ ہمیں ملے گا۔ الحمد للہ، اللہ کا احسان ہے کہ اس میں تراویح کی توفیق ہو جاتی ہے۔ تراویح کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ خواتین اس میں سستی کر لیتی ہیں۔ مردوں کو تو جماعت کے ساتھ پڑھنی ہوتیں ہیں۔ لہٰذا ان کو تو مل جاتیں ہیں۔ خواتین کے کام کی نوعیت بھی ایسی ہے کہ اگر وہ خود اپنے آپ کو نہ جگائیں، تو اس میں غفلت بہت زیادہ ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کام ہر وقت چل رہے ہوتے ہیں، کبھی برتن دھو رہی ہیں، کبھی کپڑے دھو رہی ہیں، کبھی سامان کو ترتیب دے رہی ہیں، کبھی کھانا پکا رہی ہیں۔ کبھی بچوں کو نہلا دھلا رہی ہوتی ہیں، الغرض! کچھ نہ کچھ کام ان کا چل رہا ہوتا ہے۔ یہ تو اچھا ہے، اس پر ان کو اجر ملتا ہے۔ لیکن جو فرض نماز کے اوقات ہیں، ان کو تو تبدیل نہیں کر سکتیں۔ وہ تو اپنے وقت پر ہی پڑھنی چاہئیں۔ مغرب اور عشاء کی نماز میں ان

سے اکثر تاخیر ہو جاتی ہے۔ اگر مغرب کی نماز میں اتنی تاخیر ہو جائے کہ تارے کثرت سے نظر آنے لگیں، تو یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ اور عشاء کی نماز اگر آدھی رات کے بعد پڑھی جائے، تو وہ مکروہِ تحریمی ہے۔ اس وقت ان کی نماز تو ہو جائے گی، لیکن کراہت کے ساتھ۔ اس لئے ان دو نمازوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ کم از کم عشاء کے فرض پہلے وقت میں ہونے چاہئیں، یعنی پہلے آدھے حصے میں ہونے چاہئیں، یہ ضروری ہے۔ اور وتروں میں بہتر یہی ہے کہ اخیر میں پڑھے جائیں، لیکن فرض کو کم از کم اپنے وقت پہ پڑھنا چاہئے۔ اکثر میں خواتین سے کہا کرتا ہوں کہ بعد میں بھی آپ کام کو چھوڑ کے ہی کریں گی اور اب بھی یہی کریں گی۔ کیونکہ کام تو آپ کے مسلسل جاری ہیں۔ تو پھر وقت پر کیوں نماز نہیں پڑھتیں؟ آج کل تو نقشے بھی موجود ہیں، یہ نہ دیکھو کہ مسجد میں اذان ہوئی ہے یا نہیں ہوئی۔ اذان مردوں کے لئے ہو رہی ہے، جماعت کے لئے ہو رہی ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں وقت داخل ہوتے ہی اذان نہیں ہوتی۔ یہ بھی ہماری ایک کمزوری ہے۔ اگر اذان وقت داخل ہوتے ہی ہو جایا کرے، تو لوگوں کو وقت داخل ہونے کا بھی معلوم ہو جائے۔ شاید مغرب کی اذان وقت داخل ہوتے دی جاتی ہے، کسی اور نماز کا وقت داخل ہوتے اذان نہیں دی جاتی۔ جیسے فجر کی اذان ہے۔ اگر فجر کی اذان بالکل وقت داخل ہوتے ہی دی جائے، تو لوگوں کو پتا چل جائے کہ کھانے پینے کا وقت ختم ہو گیا، چاہے کوئی نفلی روزہ رکھ رہا ہو۔ اسی طرح یہ بھی پتا چل جائے کہ تہجد کا وقت ختم ہو گیا۔ بہر حال! یہ چیزیں کم از کم ان کو معلوم ہو جائیں گی۔ لیکن اس کی طرف دھیان نہیں ہے۔ چونکہ عورتیں جماعت کی نماز کی پابند نہیں ہیں، لہٰذا وہ نماز اپنے وقت پہ پڑھ لیں اور فارغ ہو جائیں اور پھر اپنا کام کریں۔

بہر حال! یہ میں عرض کر رہا تھا کہ نماز اپنے وقت پہ پڑھیں۔ جہاں تک مردوں کا معاملہ ہے، تو مرد ان ایام میں کم از کم جماعت کی نماز پڑھیں۔ بہتر یہ ہے کہ تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ پڑھیں۔ اگرچہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنا نفل ہے، لیکن بہت اعلیٰ درجہ کا نفل ہے، کیونکہ بعض دفعہ اس پر قسمتوں کے فیصلہ ہو جاتے ہیں۔ جو انسان تکبیرِ اولیٰ کا عادی ہے، اس کے لئے حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جس

نے چالیس دن تک تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھی، اس کو دو پروانے مل جاتے ہیں، ایک جہنم سے خلاصی کا اور ایک نفاق سے بری ہونے کا۔ تو یہ تکبیرِ اولیٰ کے ذریعے سے کتنی بڑی فضیلتیں حاصل ہوئیں۔ ویسے بھی اللہ کی رحمت بہت زیادہ ہوتی ہے، اگر رمضان شریف میں اس کو پورا کیا جائے، تو کتنی اچھی بات ہے۔ اس لئے ایک تو تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھیں، اگر ایسا کریں گے، تو میں بشارت دیتا ہوں کہ ان شاء اللہ ان کو لیلۃ القدر بہت اچھی حالت میں مل جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر صرف ایک لمحہ نہیں ہے، بلکہ پوری رات ہے۔ کیونکہ لیلۃ القدر فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا اگر پوری رات کے اندر کوئی بھی ثواب والا عمل ہو، اس کا ثواب ہزار مہینوں والا ہو جائے گا۔ فرضوں کے برابر کسی نفل کا اجر نہیں ہو سکتا۔ مگر مغرب اور عشاء یہ دو نمازیں تو فرض ہیں، یہ دو نمازیں اگر وہ با قاعدگی کے ساتھ پورے رمضان شریف میں تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ پڑھ رہا ہے، تو بہترین حالت میں پڑھ رہا ہے۔ یہی نمازیں اس کی لیلۃ القدر میں شامل ہو جائیں گی، چاہے اس کو معلوم نہ ہو۔ کیونکہ لیلۃ القدر کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، لیلۃ القدر میں عبادت کرنے کی اہمیت ہے، چاہے کسی کو پتا ہو، چاہے پتا نہ ہو۔ لہٰذا لیلۃ القدر میں اگر کسی نے تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ دو نمازیں پڑھی ہیں، تو سبحان اللہ اس کو بہت وافر حصہ مل گیا۔ مزید اگر وہ حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لئے وہ نفلی اعمال کرے، نفلی اعمال کئی قسم کے ہیں۔ مثلاً: نفل نماز بھی ہے، نفلی صدقات خیرات بھی ہیں، ذکر بھی ہے، تلاوت بھی ہے، درود شریف، استغفار اور دعائیں، یہ سب انسان کر سکتا ہے، لیکن باری باری کرے، تو اس میں یہ فائدہ ہے کہ تھکے گا نہیں۔ یعنی چار رکعت نفل پڑھ لے، پھر آدھا پارہ تلاوت کر لے، پھر کچھ ذکر اذکار کر لے، پھر دعائیں کرے۔ اس طرح باری باری کرتے رہیں، اگر تھک جائیں، طبیعت میں ذرا انقباض آ جائے، تو چائے وغیرہ پی لیں، گپ شپ نہ لگائیں، کچھ چائے وغیرہ پی لیں، اپنے ساتھ چائے کا تھرماس رکھ لیں۔ اگر پورے سال میں آپ کو چند دن اس مقصد کے لئے چائے پینی پڑے، تو کیا مشکل ہے، یہی چائے آپ کے لئے ما شاء اللہ نجات کا ذریعہ بن جائے گی۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے آپ اعمال کر سکیں گے۔ اس لئے ذرائع بہت

بے شمار ہوتے ہیں، ذرائع میں مسئلہ نہیں ہوتا۔ بہر حال! یہ آپ کے لئے بہت اچھا ذریعہ بن جائے گا۔ مردوں کے لئے آسان ترین طریقہ اعتکاف کا ہے، اعتکاف کے ذریعے سے یہ چیزیں بہت زیادہ آسانی کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہیں۔ میں تراویح کی بات عرض کر رہا تھا۔ تراویح ترویحہ سے ہے، ہر چار رکعت کے بعد جو وقفہ ہے، اس کو ترویحہ کہتے ہیں۔ اس ترویحہ میں آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ آپ خاموش بیٹھ جائیں، آپ تلاوت کر لیں، آپ کوئی اور نفلی نماز پڑھ لیں۔ خانہ کعبہ میں جو صحابہ کرام اور تابعین تراویح پڑھتے تھے، وہ درمیان میں طواف بھی کر لیتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے، اور عربی میں جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے، دو پر نہیں ہوتا۔ دو کے لئے الگ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ گویا کم از کم تین ترویحہ تو ہوں گے۔ لہٰذا آٹھ تراویح والی بات تو ختم ہو گئی۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کم از کم آٹھ تراویح تو نہیں ہے، دو ترویحہ ہیں، اس کو تراویح نہیں کہہ سکتے، وہ دو ترویحے ہیں۔ اس لئے اب ہم دیکھیں گے کہ فیصلہ کس طرح کریں۔ آپ ﷺ کی ایک حدیث شریف آج ہی ہم نے پڑھی ہے: "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ" (شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر1186)

ترجمہ: "تمہارے اوپر میری سنت کا اتباع لازم ہے اور خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، ان کی سنت کا اتباع لازم ہے"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خلیفہ راشد تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو موقع ہی نہیں ملا، اس وقت بہت زیادہ مسائل تھے، ان مسائل کو حل کرنے میں ہی سارا وقت حضرت کا چلا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موقع بھی زیادہ مل گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت زیادہ دور اندیشی دی تھی، در اصل جس کام کے لئے اللہ جس کو پیدا کرتا ہے، اس کو وہ چیز دے دیتے ہیں۔ تو ان میں بہت زیادہ دور اندیشی تھی۔ حضرت نے سوچا کہ آپ ﷺ نے تراویح اس لئے جماعت سے چھوڑ دی

تھی کہ اس وقت خطرہ تھا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے، لوگوں کے شوق و ذوق کو دیکھ کر کہیں یہ فرض نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ ﷺ نے جماعت سے ترک کر دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا، تو انہوں نے سوچا کہ اب وہ مسئلہ نہیں ہے اور آپ ﷺ کا ذوق یہ تھا کہ پڑھی جائے۔ لہٰذا ہم کیوں اس پر عمل نہ کریں۔ چنانچہ اس وقت جتنے بھی صحابہ تھے، حضرت نے سب کو بیس تراویح پہ جمع کیا۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ سارے اکابر موجود تھے، ان سب کو بیس تراویح پر جمع کر دیا، کسی نے انکار نہیں کیا۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوڑے والے اور بڑے ہی سخت گیر خلیفہ تھے، اس وجہ سے لوگوں نے خاموشی اختیار کی، تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بہت نرم خلیفہ تھے، جان بھی دے دی، لیکن مقابلہ نہیں کیا، انہوں نے بھی بیس رکعات کو تبدیل نہیں کیا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو کہتے ہیں کہ قرآن اور سنت کافی ہے، انہوں نے بھی اس کو تبدیل نہیں کیا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تبدیل نہیں کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تبدیل نہیں کیا۔ ہوتے ہوتے حرمین شریفین میں ابھی بھی تواتر کے ساتھ بیس تراویح پڑھی جا رہی ہیں۔ یہ جو بعض حضرات تہجد والی روایت پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی، نہ رمضان میں، نہ غیرِ رمضان میں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں رمضان اور غیر رمضان کی بات ہے۔ لہٰذا یہ تراویح نہیں ہو سکتی۔ تراویح تو رمضان شریف میں ہوتی ہے، غیرِ رمضان میں تو نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس حدیث کا اطلاق تراویح پر ہوتا ہی نہیں۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ یہ تراویح تہجد ہی ہے، اس کا نام رمضان میں تراویح ہو جاتا ہے۔ خدا کے بندو! کیا کہہ رہے ہو؟ کم از کم میں اس بات کا گواہ ہوں کہ جب ہم حرم شریف میں اعتکاف کر رہے تھے، غالباً 1989 کی بات ہے۔ جب آخری عشرہ شروع ہو رہا تھا، تو شیخ عبد الرحمن السدیس نے اعلان کیا کہ ان

شاء اللہ ایک بجے قیامُ الیل ہو گا، جس میں قرآن شریف پڑھا جائے گا، جو حصہ باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ آٹھ رکعت میں باقی قرآن پڑھ لیتے تھے۔ شاید اب بھی ہوتا ہو، کیونکہ اس کے بعد میں نے وہاں اعتکاف نہیں کیا، مجھے نہیں معلوم۔ کوئی کرتا ہو، تو اس کو پتا ہو گا۔ لیکن بہر حال! یہ تو میرے سامنے ہوا ہے۔ گویا انہوں نے تہجد اور تروایح میں فرق کر دیا کہ تہجد تہجد ہے اور تراویح تراویح ہے۔ اور تراویح بیس ہی ہیں۔ میں نے "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" کتاب پڑھی ہے۔ اس کتاب میں صاف لکھا ہے کہ احناف کے نزدیک بیس رکعات ہیں، حنابلہ کے نزدیک بیس رکعات ہیں، شوافع کے نزدیک بیس رکعات ہیں اور مالکیہ کے نزدیک چھتیس رکعات ہیں۔ میں جب جرمنی میں تھا، تو ہمارے عرب ساتھیوں نے پہلی رمضان کو عشاء کی نماز کے لئے مجھے آگے کیا۔ میں نے نماز پڑھا کر ان کی طرف رخ کیا اور میں نے کہا: "یَا اِخْوَانَ الْعَرَبِ کَمْ تُصَلُّوْنَ مَعِیَ؟ عِنْدَ الْاَحْنَافِ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً، عِنْدَ الْحَنَابِلَۃِ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً، عِنْدَ الشَّوَافِعِ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً وَعِنْدَ الْمَالِکِیَّۃِ سِتُّ وَّثَلَاثُوْنَ رَکْعَۃً" یعنی احناف کے نزدیک بیس رکعات ہیں، شوافع کے نزدیک بیس رکعات ہیں، حنابلہ کے نزدیک بیس رکعات ہیں اور مالکیہ کے نزدیک 36 رکعات ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ کتنی پڑھنا چاہتے ہیں؟ مصر کے ایک مالکی ساتھی بھی بیٹھے ہوئے تھے تھے، ہمارے دوست سمیر العمودی ذرا جولی طبیعت کے تھے، وہ کہتے ہیں کہ "اَنْتَ مَالِکِیٌّ؟"۔ آپ مالکی ہیں ناں؟ یعنی آپ 36 پڑھیں گے۔ انہوں نے کہا: "اَنَا اُصَلِّیْ مَعَکُمْ عِشْرِیْنَ" میں آپ کے ساتھ بیس پڑھ لوں گا۔ پھر ماشاء اللہ وہ سب ہمارے ساتھ بیس پڑھتے رہے، پورا رمضان شریف انہوں نے ہمارے ساتھ پڑھیں۔ بہر حال! سب ثبوت موجود ہیں۔ لیکن آدمی کیوں محروم ہو جائے؟ کم از کم اس کو بدعت تو کوئی نہیں کہہ سکتا، کوئی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ اس کو بدعت کہے۔ کیونکہ صحابہ سے بدعت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ عام صحابی سے نہیں کر سکتے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیسے کریں گے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ انہوں نے بدعت کی۔ اس لئے بدعت تو نہیں ہے۔ جب بدعت نہیں ہے اور جائز ہو گیا، تو اب اگر بیس رکعت نہیں ہیں، تو آٹھ رکعت والے بچ گئے،

لیکن باقیوں کے لئے بارہ رکعات نفل ہو گئیں۔ لہٰذا ان کو سزا تو نہیں دی جائے گی۔ ان کی کوئی چیز کم تو نہیں ہو گی، کیونکہ انہوں نے پڑھ لی۔ لیکن اگر بیس ہیں اور کسی نے آٹھ پڑھی ہیں، تو وہ خسارے میں چلے گئے۔ اس لئے اس مسئلہ میں احتیاط کا عمل یہی ہے کہ اس میں اختلاف میں نہ پڑا جائے، بلکہ شوق و ذوق کی بات کی جائے۔ اور شوق و ذوق یہ ہے کہ حرم شریف جس میں ساری دنیا جمع ہو رہی ہے، اگر وہاں سارے بیس پڑھ سکتے ہیں، ان کو کوئی مسئلہ نہیں ہے، تو ادھر کسی کو کیا مسئلہ ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہئے۔ جب وہ پڑھتے ہیں، تو تم بھی پڑھ لو۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیس رکعت میں جو قرآن کریم پڑھتے ہیں، اگر کوئی آٹھ پڑھنے والا ہو اور آٹھ کے بعد چلا جائے، تو اس کا قرآن مکمل نہیں ہو گا۔ تو یہی اس میں مسائل ہیں۔ ان مسائل کو دیکھ کر ہمیں سمجھنا چاہئے کہ رمضان شریف کے مہینہ کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ اب میں تیسری بات پہ آتا ہوں۔ الحمد للہ اس مہینے میں دینے کے کئی راستہ ہیں، سحری کا وقت ہے، اس میں برکت ہے، کہتے ہیں کہ سحری برکت کا کھانا ہے، چاہے تھوڑا سا پانی پیو، لیکن کچھ نہ کچھ لو، کیونکہ یہ برکت کا وقت ہے۔ بعض لوگ جو عشاء کے بعد سو جاتے ہیں اور فجر کی نماز کے لئے اٹھتے ہیں، سحری کے لئے اٹھنا ان کے لئے مشکل ہوتا ہے، وہ ویسے ہی روزہ رکھ لیتے ہیں۔ روزہ تو ٹھیک ہے، لیکن سحری کی برکت گئی۔ سحری کرنی چاہئے اور سحری کا وقت ایسا وقت ہے کہ جس میں اللہ پاک کی طرف سے منادی ہوتی ہے کہ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا کہ اس کو دوں، ہے کوئی پریشان حال کہ اس کی پریشانی دور کروں، ہے کوئی مصیبت زدہ کہ اس کی مصیبت دور کروں؟ لہٰذا جب آپ سحری کے لئے اٹھیں، تو بے شک کھائیں بھی، پئیں بھی اور ساتھ دعائیں بھی کریں۔ ان شاء اللہ یہ دعائیں قبول ہوں گی۔ ساتھ تہجد بھی پڑھ لیں، ان شاء اللہ دعائیں قبول ہوں گی۔ اسی طرح افطاری کے وقت بھی بہت زیادہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ افطار کے وقت لاکھوں لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ ہم بھی ان لوگوں میں آ جائیں، جن کی مغفرت ہو رہی ہو۔ افطاری کے وقت اللہ کی طرف مکمل متوجہ ہو کر اللہ سے مانگیں۔ اکثر میں

خواتین سے عرض کرتا ہوں، کیونکہ مردوں کا مسئلہ نہیں ہے، خواتین کا زیادہ ہے کہ وہ بیچاریاں اپنے کام میں لگی ہوتی ہیں۔ اس کام پر بھی ان کو اجر ملتا ہے، یہ نہیں ہے کہ اجر نہیں ملتا۔ لیکن وہ اتنی مصروف ہوتی ہیں کہ دعا مانگنے کا وقت بھی چلا جاتا ہے، بس کھڑے کھڑے ہی کھجور کھا کر افطار کر لیں گی۔ یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ مثلاً: آپ نے ایک کام عصر سے بیس منٹ بعد شروع کرنا ہے، تو آپ دس منٹ بعد شروع کر لیں، تو بعد میں یہ دس منٹ آپ کو مل جائیں گے۔ اس میں آپ کا سارا کام مکمل ہو جائے گا اور آپ اطمینان کے ساتھ افطاری کر سکتی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ سارا کام کر کے بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ دعا مانگیں۔ الحمد للہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم مناجاتِ مقبول کی پوری منزل پڑھ لیتے ہیں۔ کیونکہ روز ہی ہم پڑھتے ہیں، تو اسی وقت پڑھ لیتے ہیں۔ اگر وقت ہو، تو ہم دعائیں کرتے ہیں۔ یہ دعائیں ہماری آن لائن چلتی ہیں۔ہم چونکہ راولپنڈی میں ہیں اسلئے افطاری کے وقت راولپنڈی اسلام آباد کے رہنے والے اگر ہماری ویب سائٹ tazkia.org پر جائیں تو اس وقت اس پہ دعا آن لائن چلتی ہے، اس کے ساتھ آمین آمین کہہ کے دعا میں شامل ہو سکتے ہیں، اس کی برکت سے الحمد للہ دعا میں شامل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ بہر حال! سحری اور افطاری کے اوقات میں دعاؤں کا اہتمام کریں۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ روزوں میں ایسے کاموں میں انسان اپنے آپ کو شامل نہ کرے، جس سے روزے پہ فرق پڑتا ہو۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی سرکاری کام کے بارے میں بات کرنے کے لئے اپنے گورنر کو بلایا تھا، وہ ذرا لیٹ ہو گیا، اور رمضان شریف کے مہینہ میں آ گیا۔ حالانکہ سرکاری کام تھا، حضرت ان سے بڑے ناخوش ہوئے کہ تجھے سفر کرنے کے لئے صرف رمضان کا مہینہ ملا تھا؟ یعنی اس میں تو نے کیوں سفر کیا؟ عمر بن عبد العزیز پہلے مجدد ہیں، انہوں نے اپنے گورنر کو کیا بتایا کہ رمضان شریف میں غیر ضروری سفر نہ کیا کریں۔ جس کو postpone کیا جا سکتا ہے، postpone کرو، جس کو postpone نہیں کیا جا سکتا، مجبوری ہے یا اِس سے اعلیٰ مقصد کے لئے سفر ہو،

جیسے عمرہ کے لئے کوئی جا رہا ہو یا کسی اور دینی کام کے لئے جا رہا ہو، تو وہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ کاموں کی ترتیب بھی ایسی ہو کہ جس میں رمضان میں سفر نہ آئے۔ اس سے ان شاء اللہ العزیز رمضان شریف یکسوئی کے ساتھ اپنے گھر پر گزارنا نصیب ہو جائے گا۔ بالخصوص اعتکاف کے لئے بھی اپنے اوقات کو فارغ کرنا چاہئے۔ بہر حال! اس کے اوقات کا خیال ضرور رکھنا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے، جس سے رمضان شریف میں خلل آ جائے۔ اور زیادہ خلل ان چیزوں سے آتا ہے، جو گناہ کے کام ہیں۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جن کو آج کل گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن کیا کسی کے سمجھنے سے فرق پڑتا ہے؟ شریعت کا حکم ہے، اس کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ مثلاً: ٹیلی ویژن دیکھنا۔ جب میں جرمنی میں تھا، تو الحمد للہ دعا وغیرہ کا یہ سسٹم ہم نے شروع کیا تھا۔ تو سمیر العمودی جو فلسطینی تھے، وہ مجھے کہنے لگے کہ یہ چیز مجھے بہت پسند آئی، ہمارے ہاں تو ٹیلی ویژن پر لطیفے سنائے جاتے ہیں، تاکہ لوگوں کا روزہ مشغول ہو۔

ایک آرٹیکل ہے۔ اس میں کہتے ہیں کہ رمضان میں تقویٰ حاصل کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہو گا؟ پہلا کام تو یہ ہے کہ رمضان کے روزوں کو اہتمام کے ساتھ رکھنا ہو گا اور رات کو تراویح اہتمام کے ساتھ ادا کرنی ہوں گی۔ اس کے ساتھ کچھ نفلی اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ تاکہ ہماری کمی کوتاہیوں کی تلافی ہو سکے۔ حدیث شریف میں رمضان میں چار چیزوں کی کثرت کا حکم موجود ہے۔ "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ " کلمہ طیبہ کی کثرت۔ دوسرا استغفار کی کثرت، تیسرا اللہ تعالیٰ سے جنت مانگنے کی کثرت اور چوتھا جہنم سے پناہ مانگنے کی کثرت۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ اس کے لئے ایک مسنون دعا بھی ہے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ " گویا جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ، یہ دونوں چیزیں اس میں آ گئیں۔ چنانچہ اس کو یوں پڑھ لیں: "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ "۔ اس میں سب دعائیں اکٹھی ہو جائیں گی، یعنی چاروں پر عمل ہو جائے گا۔ اسی طرح رمضان کو قرآن کے نزول کا مہینہ فرمایا گیا ہے، تو رمضان میں قرآن کی تلاوت کثرت کے

ساتھ کرنی چاہئے۔ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ہمارے اکابر ہمیشہ رمضان میں عبادات کثرت کے ساتھ کیا کرتے تھے، آج کل ہم کمزور لوگ ان تک تو نہیں پہنچ سکتے، لیکن اپنی استعداد کے مطابق ہمیں بھی کچھ کرنا چاہئے۔ کیونکہ رمضان کا مہینہ قیامت تک تقوی حاصل کرنے کے طور پر استعمال ہو گا۔ اس لئے کچھ مختصر معمولات آج کل کے حالات کے لحاظ سے دیئے جاتے ہیں۔

تمام مسلمانوں کے لئے:

فجر کے بعد سورۃ یٰس اور عشاء کے بعد سورۃ ملک کی تلاوت، افطاری سے دس منٹ پہلے تمام کاموں سے فارغ ہو کر دعاؤں میں مشغول ہوں، زبان کو ذکر اللہ سے تر رکھیں اور فضول باتوں سے اجتناب کریں۔ ٹی وی اگر گھر میں ہو، تو اس کو ایک مہینہ کے لئے کم از کم بند کر دیں۔ اور عید کے تین دنوں میں خصوصی احتیاط کریں، تاکہ جو کچھ رمضان میں کما چکے ہو، وہ پورا سال بر قرار رہے۔ مرد و زن کے مخلوط اختلاط سے خصوصی طور پر اجتناب کریں، کیونکہ شیاطین جو کہ رمضان میں بندھے ہوتے ہیں، وہ اپنا پورا زور ان دنوں میں نکال لیتے ہیں۔

نوٹ: دیئے گئے معمولات اُن خواتین و حضرات کے لئے جن کا کسی صحیح سلسلہ، شیخ کے ساتھ اصلاحی تعلق نہیں ہے یا ان کا فقیر کے ساتھ تعلق ہے۔ جس کا کوئی اور شیخ یا مقتدی ہو، تو وہ ان سے رابطہ کر کے اپنے رمضان کے معمولات طے کروائیں۔ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف ہوتا ہے اور الحمد للہ ہمارے قرب و جوار میں بہت سے مشائخ کی سرپرستی میں اصلاحی اعتکاف بھی ہوتا ہے۔ تو مرد حضرات کسی ایسے شیخ کے ہاں اصلاحی اعتکاف کریں، جن کے ساتھ ان کو مناسبت ہو اور خواتین موقع مناسبت سے اپنے گھر میں اعتکاف کر لیا کریں۔

فارغ اور صحت مند مسلمانوں کے لئے فرائض کے علاوہ روزانہ کے معمولات:

یہ صرف اندازہ ہے، یہ فرض و واجب نہیں ہے۔ لیکن آپ تجربہ کہہ سکتے ہیں۔ تلاوتِ قرآن پانچ پارے، درود شریف ہزار مرتبہ، استغفار ہزار مرتبہ، تیسرا کلمہ تین سو مرتبہ، کلمہ طیبہ ایک ہزار مرتبہ، مناجاتِ مقبول کی ایک منزل، اپنی

زبان میں دعائیں، بالخصوص سحری کے وقت اور افطاری کے وقت۔ اسی طرح تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین۔ اگر مزید وقت مل سکے، تو تلاوت کرنا۔ قرآن کی تلاوت جتنی کر سکیں، آخری عشرے میں اس سے دوگنا کر لیں۔ ذکر اذکار تو ویسے بھی کرنے چاہئیں۔

لیکن یہ صرف اندازہ کے لئے ہے۔ کیونکہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ اگر آپ اپنا ایک target رکھیں، تو اس سے ما شاء اللہ آپ کو کام کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اور اگر target نہ رکھیں اور سوچیں کہ میں کر لوں گا، تو انسان کے وقت پہ کسی اور چیز کا ذہن پہ زیادہ غلبہ ہو، تو اس کی طرف ذہن چلا جاتا ہے اور اس کام سے رہ جاتا ہے۔ اس کے لئے ایک عجیب چیز ہے، اس کو آدمی اپنے ساتھ رکھے، اس کا نام ہے؛ کاؤنٹر۔ پہلے تسبیح ہوا کرتی تھی، لیکن تسبیح سے بھی زیادہ effective ہے۔ کیونکہ اس پہ آپ ایک لاکھ تک آسانی کے ساتھ گن سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ ہاتھ ہلاتے رہیں اور ساتھ ساتھ پڑھتے رہیں، تو آپ جتنا بھی پڑھنا چاہیں، ان شاء اللہ پڑھ لیں گے۔

کاروباری حضرات اور بچوں کی ماؤں اور ملازم پیشہ کمزور مسلمانوں کے لئے:

تلاوتِ قرآن دو پارے، درود شریف ہزار مرتبہ، استغفار پانچ سو مرتبہ، تیسرا کلمہ سو مرتبہ، کلمہ طیبہ پانچ سو مرتبہ، مناجاتِ مقبول کی ایک منزل، اپنی زبان میں دعائیں، بالخصوص سحری کے وقت اور افطاری کے وقت، اس کے علاوہ تہجد، اشراق اور اوابین۔ اگر مزید وقت مل سکے، تو تلاوتِ قرآن کریں۔ آخری عشرے میں اس کا دوگنا کریں۔

حفاظ کرام کے لئے طریقہ ہے:

رمضان کا مہینہ چونکہ قرآن کا مہینہ ہے، تو حفاظ کرام اس میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کیا کریں، کیونکہ باقی لوگوں کی نسبت ان کے لئے تلاوت زیادہ آسان ہوتی ہے اور تراویح میں ایک قرآن ضرور سنایا کریں یا سن لیا کریں، اکثر حفاظ یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں سنانے کے لئے جگہ نہیں ملتی، ہم کیا کریں؟ (حافظ حضرات

اس کو اچھی طرح یاد رکھیں) اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو حافظ مل کر کسی بھی جگہ پر ہو، گھر پر ہو، بیٹھک پر ہو، حجرہ میں ہو، تراویح میں پڑھیں۔ چاہے دوسرے لوگ نہ بھی ہوں۔ دو بندے ہی تراویح پڑھ لیں، ایک امام ہو گا اور دوسرا سامع۔ اس طرح باری باری دونوں کریں۔ دو قرآن ختم کریں، تو دونوں کے سنانے کا بھی قرآن ختم ہو جائے گا اور سننے کا بھی۔ باقی نام کمانے اور پیسے کمانے کی کوشش، وہ الگ بات ہے۔ گویا رکاوٹ نام کمانے اور پیسے کمانے کی ہے۔ اگر کسی کی یہ نیت ہو، تو اس کے لئے یہ مشورہ فضول ہے، وہ اس پہ عمل ہی نہیں کرے گا۔ لیکن اگر کوئی واقعی قرآن کو محفوظ کرنا چاہتا ہے یعنی سنانا چاہتا ہے، تو اس کا طریقہ موجود ہے۔ کیونکہ جب قرآن سناتے ہیں، تو محفوظ ہو جاتا ہے۔ اگر قرآن سنانا چاہتا ہے، تو دو آدمی ایک دوسرے کو سنائیں۔ ہمارے ہاں بھی پہلے یہ طریقہ تھا کہ میرے دو بیٹے ہیں، ایک بیٹا آٹھ رکعت میں ڈیڑھ پارہ سنا لیتا تھا اور دوسرا بیٹا بارہ رکعت میں اگلا ڈیڑھ پارہ سنا لیتا۔ یوں تین پارے روزانہ ہو جاتے تھے۔ دس راتوں میں ختم ہو جاتا۔ پھر اگلے ختم میں یہ ترتیب الٹ ہو جاتی، یعنی جو پہلے آٹھ والا ہوتا تھا، وہ بارہ والا ہو جاتا اور جو بارہ والا ہوتا، تو وہ آٹھ والا ہو جاتا۔ ما شاء اللہ! دونوں کی سماعت بھی ہو جاتی اور دونوں کا سنانا بھی ہو جاتا۔ اگر کسی کی منزل بہت ہی پکی ہو، لیکن جو پہلی بار سناتا ہے، وہ بہت ہی زیادہ غلطیاں کرتا ہے، اس طرح اس کی منزل پکی ہوتی ہے کہ وہ تراویح بھی سنایا کرے۔ اس کے علاوہ منزل پکی کرنے کا اور طریقہ نہیں ہے۔ بس ہمت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور رمضان مبارک کی جملہ برکات نصیب فرمائے۔ آخر میں سب سے درخواست اور گزارش ہے کہ اس عاجز کو بھی افطاری اور سحری کی دعاؤں میں یاد رکھیں، یہ محتاجیوں کا پتلہ ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

تعلیمات مجددیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

تعلیمات مجددیہ کے سلسلے میں عقائد پر پہلے بات ہو چکی ہے، اب اعمال پر بات چل رہی ہے، کیونکہ اولاً عقائد کی پختگی، ثانیاً شریعت پر استقامت، یہی تصوف کی اصل بنیاد ہے۔ اس وجہ سے حضرت نے ان چیزوں پر زور دیا ہے، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اصل تعلیمات سے دور ہو جاتے ہیں، اور اضافی چیزوں پہ زور دینے لگ جاتے ہیں، اصل چیز کا صرف نام لیا جاتا ہے اور کام رہ جاتا ہے۔ تعلیمات مجددیہ کو بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہمارے سامنے یہ بات آ جائے کہ حضرت کی اصل فکر کیا تھی اور وہ کس چیز پر زور دے رہے تھے، اور آج کل ہم کن چیزوں پر چلے ہوئے ہیں۔

لقمہ میں احتیاط بہت ضروری ہے:

حضرت فرماتے ہیں:

کیونکہ اعمال کی قبولیت کا مدار نیت کے بعد اِس (رزق کے حلال ہونے) پر ہے، نیت کی درستی پہلی چیز ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ"

(بخاری شریف، حدیث نمبر: 1)

ترجمہ: "اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔"

گویا نیت سمت ہے، اگر سمت غلط ہو تو آپ کتنی ہی تیز رفتار سے جائیں، آپ اپنی منزل پہ نہیں پہنچ سکتے۔ نیت کے درست ہونے کے بعد دوسری چیز یہ ہے کہ جن چیزوں سے نقصان ہوتا ہے ان سے پرہیز ہو اور سب سے بڑا نقصان حرام رزق سے ہوتا ہے۔ اگر کسی کا رزق حرام ہے تو اس کے اعمال کے اندر جان نہیں رہتی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک وعظ میں ایک بات

ارشاد فرمائی تھی جو مجھے اس وقت یاد آ گئی، حضرت نے فرمایا: ایک بزرگ سے ایک صاحب بیعت ہوئے، اس نے عبادات میں بہت تیزی سے ترقی کی، عبادات میں تمام فرائض و واجبات، سنن و نوافل حتیٰ کہ تہجد تک بہت تیزی سے آگے بڑھا۔ مشائخ جہاں دیدہ ہوتے ہیں تجربہ کار ہوتے ہیں، ان کو ان چیزوں سے اشارہ ملتا ہے۔ حضرت سوچنے لگے کہ اتنی جلدی ان چیزوں کو حاصل کرنا عام نہیں ہے، عموماً ایسا نہیں ہوتا، اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ آدمی اتنا جلدی اس معمول پر آ گیا ہے، ضرور کوئی مسئلہ ہے، کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے اس کو دھوکہ ہو رہا ہے۔ ان بزرگ نے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں زاری کی کہ یا اللہ! اس کی حالت مجھ پر کھول دے کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے الہام ہوا کہ اس کا رزق حرام ہے، شیطان نے اس کو دھوکہ دیا ہوا ہے اور عبادات میں لگایا ہوا ہے، تاکہ اس کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ میں غلطی پر ہوں، بلکہ اپنے آپ کو بزرگ بھی سمجھے اور اس کے اعمال بھی تبدیل نہ ہوں۔ بزرگ بہت پریشان ہو گئے کہ اس کو شیطان نے کتنا بڑا دھوکہ دیا ہوا ہے۔ انہوں نے اس مرید کو بلایا، تحقیق کی کہ آپ کے رزق کمانے کا ذریعہ کیا ہے؟ اس کے جواب سے پتا چلا کہ اس کی کمائی حلال نہیں ہے، حرام ہے۔

اُن بزرگ نے فرمایا: یہ طریقت شریعت پر آنے کا نظام ہے اور شریعت میں سب سے پہلی بات ہی یہی ہے کہ انسان کا رزق حلال ہو۔ چونکہ آپ کا رزق حلال نہیں ہے، لہٰذا آپ کی عبادات رائیگاں جا رہی ہیں، آپ سب سے پہلے اپنے رزق کا طریقہ درست کریں۔ اس کو کوئی ایسا کام بتا دیا جو جائز تھا۔ اگرچہ اس میں پیسے بہت تھوڑے تھے۔ اسے کہا کہ آپ یہ کام کریں اور پہلا کام چھوڑ دیں، وہ مخلص آدمی تھا لہٰذا اس نے بزرگ کی ہدایت پر عمل کیا۔ حضرت تھانوی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ رزق حلال کی طرف آنے کے بعد اس کے لئے فرض نماز پڑھنا بھی مشکل ہو گیا، شیطان نے اس پر اپنا مکمل زور لگایا کہ اب فرض نماز ہی پڑھ کے دکھاؤ۔

الحمد للہ، یہ بات تجرباتی طور پر تھوڑی بہت میرے سامنے آئی ہے کہ کئی مرتبہ جن لوگوں کا رزق حرام ہوتا ہے، وہ عموماً ذکر اذکار اور خیرات و صدقات

وغیرہ عبادات میں بہت زیادہ آگے ہوتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم ان عبادات سے گویا کہ رزق حرام والے گناہ کی تلافی کر دیں گے، حالانکہ ایسے تلافی نہیں ہوتی۔ آپ گند میں سے جتنا گند لوگوں کو دیں، اس سے وہ گند پاک نہیں ہوتا، یہ شیطان کے دھوکے ہیں۔

ہمارے رشتہ داروں میں سے ایک صاحب کھلم کھلا رشوت لیتے تھے، فخر سے لوگوں کو بتاتے بھی تھے۔ ایسے بھی ہوتا ہے اللہ ہم سب کو معاف فرمائے، یہ بہت بڑی کمزوری ہے۔ ان کا معمول یہ ہوتا تھا کہ رمضان شریف میں پوری مسجد کو افطاری کراتے تھے۔ آج کل ہم مسلمانوں میں یہ کمزوری ہے کہ تحقیق نہیں کرتے کہ کہاں سے آ رہا ہے، حلال بھی ہے یا حلال نہیں ہے، بس جو آئے سارا کچھ ٹھیک ہے۔ وہ پوری مسجد کو افطاری کراتے تھے۔ جب ان کو بیماریاں لگ گئیں، آخری وقت میں ہسپتال میں داخل تھے، وہاں سے اپنے گھر ٹیلی فون کیا کہ وہ جو میں مسجد میں افطاری بھیجا کرتا تھا، ابھی بھی ایسا ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا؟ ان کے گھر والوں نے تسلی دی کہ ہاں اب بھی ایسا ہو رہا ہے آپ فکر نہ کریں۔

اب دیکھیں، انہیں اس چیز کی فکر تھی کہ افطاری میں کوئی خلل نہ آئے، لیکن اپنے رزق کو حلال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ وہ دھوکہ ہے جو شیطان دیتا ہے۔ حضرت اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے دفتر دوم مکتوب 69 میں فرماتے ہیں:

متن:

ایک اور نصیحت یہ ہے کہ لقمہ میں بہت احتیاط رکھیں۔ یہ ٹھیک نہیں ہے، کہ جو بھی جہاں کہیں سے ملے کھالے اور حلال اور حرام شرعی کا کچھ لحاظ نہ رکھے، یہ شخص خود مختار نہیں ہے کہ جو چاہے کرے بلکہ اس کا ایک مولیٰ جل سلطان (آقا) ہے جس نے اس کو امر و نہی کا مکلف بنایا ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ذریعے جو دنیا جہان والوں کے لئے سراپا رحمت ہیں، اپنی رضامندی اور عدم رضامندی کو ظاہر کر دیا ہے وہ شخص بہت ہی بدبخت ہے جو اپنے آقا کی مرضی کے خلاف کام کرے اور آقا کی اجازت کے بغیر اس کے ملک و مِلک میں تصرف کرے، بڑی شرم کی بات ہے مجازی آقا کی رضامندی کی رعایت کرتے ہیں اور اس بارے

میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے اور مولائے حقیقی نے تاکید و مبالغہ کے ساتھ جن ناپسندیدہ کاموں سے منع کر دیا اور تنبیہ فرمائی ہے اس کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے کہ یہ اسلام ہے یا کفر؟ خوب غور کرنا چاہئے، ابھی کچھ نہیں بگڑا اور اب بھی گزشتہ کوتاہیوں کا تدارک ہوسکتا ہے، حدیث اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ (گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا) یہ قصور کرنے والوں کے لئے بشارت ہے اس کے باوجود اگر کوئی شخص گناہ پر اصرار کرے اور اس سے خوش ہو تو وہ منافق ہے، اس کا ظاہری اسلام اس کے عذاب و عقاب کو دور نہیں کرے گا، زیادہ تاکید و مبالغہ کیا کیا جائے، عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

تشریح:

رزق حلال کمانا بہت ضروری ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ رزقِ حلال میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ تھوڑا بھی ہو تو اس سے سارے کام ہو جاتے ہیں۔ اور حرام رزق بہت زیادہ ہو، تب بھی اس سے اطمینان نہیں ہوتا، کام نہیں ہوتا پریشانی ہوتی ہے، اور بڑھتی جاتی ہے۔

برکت ایک ایسی چیز ہے جس کو ہم سب مانتے ہیں اور جانتے ہیں، لیکن یہ کام کیسے کرتی ہے، یہ کوئی نہیں جانتا، یہ اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے، ان چیزوں کو مخفی رکھا گیا ہے۔ بعض لوگوں کے مال میں برکت ہوتی ہے، جان میں برکت ہوتی ہے، علم میں برکت ہوتی ہے، قوت میں برکت ہوتی ہے، اگر کوئی شخص حلال رزق کماتا ہے، تو اس کے رزق میں برکت کے ساتھ ساتھ اس کے دوسرے مسائل بھی حل ہوتے رہتے ہیں۔

قضائے الٰہی پر راضی ہونا:

یہاں سے ایک نئی بات کا بیان ہے۔ قضائے الٰہی پر راضی ہوئے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے لئے صبر کا ہونا ضروری ہے، لیکن جس میں صبر نہ ہو اس کے لئے اس پر عمل بہت مشکل ہوتا ہے۔ صبر تب ہو سکتا ہے جب نفس شریعت پر اطمینان حاصل کر چکا ہو۔ اس بات کو واضح کرنے کے لئے دفتر دوم کے مکتوب نمبر 88 میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

مقبول بندہ وہ ہے جو اپنے مولائے حقیقی کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی مرضی کا تابع ہے وہ آپ اپنا بندہ ہے، اگر مولائے حقیقی بندہ کی گردن پر چھری چلائے تو بندہ کو چاہئے کہ اس وقت بھی فرحان و خنداں رہے اور مولا کے اس فعل کو اپنا پسندیدہ فعل سمجھے بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہ اس کو اس فعل سے کراہت معلوم ہو اور اس کا سینہ (دل) میں تنگی پیدا ہو تو وہ دائرہ بندگی سے دور اور قرب مولیٰ سے مہجور ہے، جب طاعون حق تعالیٰ کی مراد ہے تو چاہئے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش و خرم ہوں اور طاعون کے غلبہ سے بے صبر و تنگ دل نہ ہوں.

تشریح:

آج کل اس بات کو کرونا پہ منطبق کر لیں۔

متن:

بلکہ اس خیال سے کہ وہ محبوب کا فعل ہے اس سے لذت یاب ہوں، ہر شخص کے لئے اجل مقرر ہے جس میں کمی بیشی کا کوئی احتمال نہیں ہے تو پھر اضطراب کیوں ہو البتہ نہایت کار یہ ہے کہ ہم (دعا کے ذریعے) بلاؤں سے عافیت طلب کریں اور اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضگی سے پناہ مانگیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا اور سوال سے راضی ہوتا ہے نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اُدْعُونِیٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ" (المومن:40 آیت: 60) (تم مجھ سے مانگو میں تمھاری دعا قبول کروں گا)۔

تشریح:

مختلف بزرگوں نے اس چیز کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے اور یہی مقامِ رضا سب سے بڑی چیز ہے۔ مقاماتِ سلوک میں مقامِ رضا آخری مقام ہے اور جب یہ مقام حاصل ہو جائے تو پھر بندے کو نفس پہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اطمینان رضا سے ہی حاصل ہو سکتا ہے، انسان کسی چیز سے راضی ہو گا تبھی اطمینان ہو گا، جب تک راضی نہیں ہو گا تو اطمینان کہاں ہوا۔ نفس کا اطمینان تب ہو گا

جس وقت انسان اللہ تعالیٰ کے ہر فعل پر راضی ہو گا۔

ہماری ایک کزن تھیں (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) بڑی نیک خاتون تھیں، ان کی زبان پر ہر وقت یہ جملہ ہوتا تھا، ''اے اللہ میں تجھ سے راضی ہوں تو مجھ سے راضی ہو جا۔'' ہماری رشتہ دار خواتین ان کو کہتیں کہ یہ کون سا کمال ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رضا پہ تو راضی ہونا ہی پڑتا ہے، یہ بھلا تم کیا کہہ رہی ہو کہ میں تجھ سے راضی ہوں تو مجھ سے راضی ہو جا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ صحیح بات کر رہی ہے۔ ہم لوگ کہتے ہیں ''راضی ہونا چاہئے''، جب کہ ''وہ راضی ہے''۔ ''راضی ہونا چاہئے'' اور ''راضی ہے'' میں فرق ہے۔ جو راضی ہوتا ہے اس کے احوال اور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کھلا دل دیا ہوا تھا، بہت زیادہ غریب تھیں، لیکن ان کے گھر جو کچھ ہوتا تھا وہ سب کے لئے ہوتا تھا، چاہے کوئی بھی آتا ان کو کھلاتی تھیں اور ان کی زبان پہ یہی بات ہوتی تھی کہ اے اللہ! میں تجھ سے راضی ہوں تو مجھ سے راضی ہو جا۔

ایک دن مجھے کہنے لگیں کہ شبیر! مجھے وظیفہ دو۔ وہ بہت وظیفے پڑھتی تھیں۔ میں نے کہا: نہیں دیتا۔ انہوں نے کہا: سب کو دے رہے ہو، مجھے کیوں نہیں دیتے؟ میں نے کہا میری مرضی، زبردستی تو نہیں کہہ سکتی، میری مرضی ہے جس کو دینا مناسب سمجھتا ہوں اس کو دیتا ہوں، دوسروں کو نہیں دیتا۔ خیر کیا کہہ سکتی تھیں۔ میں نے کہا: وظیفہ دے دوں گا لیکن اس شرط پر کہ باقی سارے وظیفے چھوڑو گی۔ مجھے پتا تھا، اس کے پاس بہت سارے وظیفے ہیں، اگر میں بھی دے دوں گا تو یہ پھر سوائے اس کے کچھ نہیں کرے گی کہ مجموعۃ الوظائف ہو جائے گی۔ اس وجہ سے میں نے کہا کہ اس کو میں تب وظیفہ دوں گا جب یہ باقی وظیفے چھوڑے گی۔ وہ نہیں مان رہی تھیں، میں نے کہا: بس ٹھیک ہے پھر میں نہیں دیتا۔

ایک دن میرے ہاں بیان کے بعد کچھ خواتین بیعت ہو رہی تھیں، ان کزن نے مجھے پیغام بھجوایا کہ میں بھی بیعت ہو گئی ہوں، اب تو آپ وظیفہ دیں گے؟ میں نے کہا: اب تو آپ بیعت ہو گئیں، اب آپ میری بات مانیں گی؟ کہتی ہیں، ٹھیک ہے۔ میں نے کہا لکھ کے بھیجو کہ کون کون سے وظیفے کرتی ہو۔ انہوں نے مجھے

سارے وظیفے لکھ کے بھجوائے۔ میں نے اس میں سے چھانٹی کر کے انہیں بتایا کہ یہ یہ کر لو اور یہ چھوڑ دو۔

ان کی وفات کے بعد ان کی بہن نے ان کو خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ بہن کیا واقعی قبر میں منکر نکیر آتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں آتے ہیں میرے پاس بھی آئے تھے، مجھے بٹھا لیا تھا، پھر کہا: چلو تجھ سے نہیں پوچھتے، سو جاؤ۔ پھر چلے گئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ منکر نکیر بعض لوگوں کو بغیر کچھ پوچھے چھوڑ دیں گے۔ میں نے کہا کہ یہ سب ان کے اس جذبہ کی وجہ سے ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے راضی ہوں تو مجھ سے راضی ہو جا۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اگر واقعی کوئی اللہ تعالیٰ سے راضی ہو تو بہت اونچی بات ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی یہی بات فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہے، ہم اپنے اوپر اتنے مہربان نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اپنے آپ کو عاجلہ کی وجہ سے نقصان دیتے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں آجلہ کی طرف لاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری آخرت کو صحیح بنا رہا ہے اور ہم کہتے ہیں نہیں ہماری دنیا صحیح ہو جائے۔ جبکہ دنیا بہت تھوڑی ہے۔ اللہ کو تو پتا ہے کہ دنیا بہت تھوڑی ہے، اب کسی کو دنیا دے دے اور آخرت چھین لے تو یہ اس کا بہت بڑا نقصان ہو گا، اللہ تعالیٰ ہمیں اعلیٰ چیز دینا چاہتے ہیں۔

جب یہ حقیقت ہے کہ اللہ پاک ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہے، اللہ تعالیٰ قادر بھی ہے، مجبور بھی نہیں، تو جو ہمارے ساتھ ہم سے زیادہ خیر خواہی کرتا ہے اور ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہے، قادر بھی ہے، مجبور بھی نہیں ہے، اس کے ہر کام میں ہمارے لئے حکمت ہو گی اور ہمارے لئے وہ کام اچھا ہو گا، تبھی اللہ تعالیٰ کروا رہا ہے۔

اس وجہ سے ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم اللہ کی مانیں، چاہے سمجھ میں آئے، یا نہ آئے۔ یہ شرط لگانا کہ میری سمجھ میں آ جائے پھر مانوں گا، یہ کچی بات ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سمجھ میں آنے کی بڑی فضیلت ہے، فقاہت اور علم و بصیرت کی بہت فضیلت ہے، لیکن اس کو آپ اللہ کی بات ماننے کی شرط نہیں بنا

سکتے۔ جب ثابت ہو جائے کہ اللہ کا حکم ہے، پھر ماننا پڑے گا، چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ بہت ساری باتیں ایسی ہوں گی جو آپ کو سمجھ نہیں آئیں گی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت یہ مغرب کی طاق رکعتیں ہیں اور باقی نمازوں کی جفت ہیں، ایسا کیوں ہے؟

اس کی علمی دلیل اور علمی جواب بھی ہے لیکن حضرت ایسے سوالوں کے علمی جواب نہیں دیتے تھے، کیونکہ اس قسم کے سوال کرنا نفس کی خباثت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا: تیری ناک آگے لگی ہوئی ہے، پیچھے کیوں نہیں لگی ہوئی؟ اس نے کہا: اللہ نے ایسے ہی لگائی ہے۔ حضرت نے فرمایا: بس اللہ پاک نے مغرب کی تین ہی رکعتیں بنائی ہیں، اس کی مرضی ہے کہ اس نے مغرب کی تین کر دیں، باقی کی جفت کر دیں۔

الغرض چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہم لوگوں کو یہ ماننا چاہئے کہ اللہ پاک کے ہر کام میں حکمت ہے۔

دفتر سوم کے مکتوب نمبر 91 میں اس کی مزید وضاحت ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

حکیم جل سلطانہ کا کوئی فعل (کام) حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، شاید اللہ سبحانہ نے اس (مصیبت) سے ہماری بہتری کا ارادہ فرمایا ہو (جیسا کہ ارشاد ہے) عَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورہ بقرہ2 : آیت: 214) ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے اچھی ہو، اور (اسی طرح) ممکن ہے کہ کسی چیز کو تم اچھا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو(پس حقیقتِ حال) اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے) لہٰذا اس سبحانہ وتعالیٰ کی (بھیجی ہوئی) بلا پر صبر کرو، اس کے فیصلے (قضا) پر راضی رہو، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہوئے اس سبحانہ کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (بقرہ:154) (ہم سب اللہ تعالیٰ ہی

کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف جانا ہے) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (الشوری:42 آیت:20) (جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی (غلط) کمائی کے باعث ہے اور وہ تعالیٰ تمہاری بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے)۔ پس اللہ سبحانہ کی جناب میں استغفار و توبہ کرو اور اپنے ہاتھوں کئے ہوئے اعمال پر اللہ سبحانہ سے عفو و عافیت طلب کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔

تشریح:

ہماری انجینئرنگ ڈگری 1st division with honors بہت اچھی صورت میں ہوئی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میری پوسٹنگ پشاور میں حضرت کے ساتھ ہو جائے اور ایسا ممکن بھی تھا، کیونکہ اس وقت انجینئرنگ میں چار پوسٹیں تھیں اور میرا نمبر میرٹ کے لحاظ سے تیسرا تھا، فیصلہ کرنے والے لوگ بھی بہت دیانت دار لوگ تھے، ان کی طرف سے گڑبڑ کا امکان نہیں تھا، لہٰذا مجھے بہت اطمینان تھا کہ کام ہو جائے گا، تیسرا نمبر میرا ہے، چار تو ہونے ہی ہیں، انہی میں، میں بھی ہو جاؤں گا، اس وجہ سے میں نے کسی اور جگہ apply نہیں کیا۔ آسامیوں کا اپنا ایک مخصوص وقت ہوتا ہے، اس وقت کے اندر اندر بھر جاتی ہیں۔ میں انٹرویو کا انتظار کر رہا تھا۔ انٹرویو سے چند دن پہلے دو پوسٹیں گر گئیں۔ اب دو رہ گئیں، میرا نمبر تیسرا تھا، میں بھی رہ گیا بلکہ میرے ساتھ ایک اور بھی رہ گیا، اب میرے پاس کوئی موقعہ ہی نہیں تھا، کیونکہ ساری آسامیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اتنی اچھی ڈگری کے ہوتے ہوئے تقریباً ساڑھے آٹھ مہینے میں بے روزگار رہا، گھر والے بھی پریشان تھے اور خود میں بھی پریشان تھا، کوشش کر رہے تھے کہیں سے ملازمت مل جائے، لیکن جہاں بھی جاتے، ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے ہی میں پہنچتا ہوں کھڑکی بند ہو جاتی ہے۔ H.M.C میں میری appointment ہوئی اور اگلے دن joining تھی، اسی دن نئی appointments پر ban لگ گیا۔ ایسی صورت میں آدمی کیا کر سکتا ہے، اس مسئلہ میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس طرح مختلف چیزیں ہوتی رہیں، مجھے کوئی اور پریشانی نہیں تھی، مسئلہ صرف یہ تھا کہ لوگ بہت تنگ کرتے تھے،

لوگ کہتے تھے، بغیر رشوت کے کام نہیں ہوتا، دیکھو تمہارا کام اس لئے نہیں ہو رہا کیونکہ تم رشوت نہیں دیتے، رشوت دو تو تمہارا کام ہو جائے گا۔ اس سے بہت پریشانی تھی۔ میں نے کہا: رشوت تو میں نہیں دوں گا۔

پریشانی کے عالم میں، میں نے قرآن پاک کھولا کہ میں اپنے لئے پیغام دیکھوں کہ میرے لئے کیا حکم ہے، ایسے میں کیا کروں، قرآن کھولا تو سامنے یہ آیت آئی۔

﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔﴾ (البقرہ:216)

ترجمہ: "اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ "

یہ آیت سامنے آئی تو میں فوراً سمجھ گیا کہ ان حالات میں میرے لئے خیر ہے۔ لہٰذا اپنی حالت پر مطمئن ہو گیا۔ اس کے چند دن بعد مجھے ملازمت مل گئی اور ایک ایسے صاحب کے ذریعہ ملی جو خود اس وقت بے روز گار تھے اور اس کے بعد مزید دس سال بعد تک وہ بے روز گار رہے، لیکن میرے لئے ملازمت کا ذریعہ بن گیا۔ اللہ کی قدرت دیکھیں کہ نمبر بھی پورے، میرٹ بھی پورا، مگر ان کے ذریعہ نہیں دیا بلکہ ایسے شخص کے ذریعہ سے دیا جو خود بے روز گار تھا، خیر! میں سمجھ گیا کہ اللہ کی اس میں بڑی حکمت ہے۔

جب ملازمت مل گئی، پھر میں نے سوچا اور جاننے کی کوشش کی کہ اس میں حکمت کیا تھی، اگرچہ عمل تو اس پر بغیر جاننے کے بھی کرنا ہوتا ہے، لیکن معلوم ہو جائے تو اچھی بات ہے۔ غور کرنے کے بعد میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر اس وقت میری posting (تقرری) ہو جاتی تو میرا عقیدہ نمبروں پہ مضبوط ہو جاتا کہ میرا کام نمبروں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نکالنا چاہتے تھے۔ نمبر دے دیئے تھے لیکن اس یقین سے نکالنا چاہتے تھے کہ نمبروں کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے اس کے ذریعہ سے کروا دیا جو بے روز گار تھا۔ اس سے پتا چل گیا کہ نمبروں وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہوتا، سب کام اللہ کی قدرت اور اس کے فضل سے

ہوتے ہیں۔ اور یہ بڑی قیمتی چیز ہے کہ نظر خدا پر ہو، کسی اور چیز پر نہ ہو۔ آپ اسباب کو یقیناً استعمال کریں لیکن اسباب پر یقین نہ ہو، یقین مسبب الاسباب پر ہونا چاہئے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ساڑھے آٹھ مہینے بھی اللہ نے گزروا دیئے، لیکن اس سے جو نتیجہ نکلا وہ بہت قیمتی ہے۔ الحمد للہ۔

اپنے پیر کی زندگی میں دوسرے پیر سے بیعت ہونا:

متن:

بعض حالات میں کسی سالک کو اپنے پیر کی زندگی میں ہی دوسرے پیر سے بیعت کرنا پڑ جاتا ہے اس کے بارے میں دفتر کے مکتوب نمبر 63 میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی رائے یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

تشریح:

اس بارے میں مجھ سے بہت سے لوگ پوچھتے ہیں۔ بعض دفعہ لوگوں کے مسائل اس طرح کے ہوتے ہیں۔ تو میں نے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں پڑھا ہے اسی سے کچھ سمجھا دیتا ہوں۔

متن:

جو گرامی نامہ آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہوا، آپ نے دریافت کیا تھا کہ اپنے پیر کی زندگی ہی میں اگر کوئی طالب کسی دوسرے شیخ کے پاس چلا جائے اور اس سے حق جل و علا کی طلب کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جاننا چاہئے کہ (اصل) مقصود حق سبحانہ ہے اور پیر حق تعالیٰ کی جناب قدس تک پہنچنے کا وسیلہ ہے، اگر طالب اپنی ہدایت کسی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ خاطر جمع پائے تو جائز ہے کہ طالب پیر کی زندگی ہی میں پیر کی اجازت کے بغیر اس شخص کے پاس جائے

تشریح:

یہ بہت بڑی بات ہے۔

متن:

اور اس سے رشد و ہدایت طلب کرے، لیکن چاہئے کہ پیر اول کا بھی انکار نہ کرے اور اس کو نیکی کے ساتھ یاد رکھے، اِس زمانے میں خصوصاً پیری و مریدی محض رسم و عادت کے طور پر رہ گئی ہے، جبکہ اس وقت اکثر پیروں کو اپنی ہی خبر نہیں ہے اور ایمان و کفر میں امتیاز تک نہیں کر سکتے تو پھر وہ خدائے جل شانہ سے متعلق کیا خبر دیں گے اور مرید کو کونسا راستہ دکھائیں گے۔

آگہ از خویشتن چو نیست جنین
کے خبردار از چنان و چنیں

جب وہ خود ہی خبر نہیں رکھتے، دوسروں کو وہ کیا بتائیں گے۔

ایسے مرید پر افسوس ہے کہ اس طرح کے (ناقص) پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ جائے اور کسی دوسرے پیر کی طرف رجوع نہ کرے اور خداوند جل شانہ کا راستہ معلوم نہ کرے، یہ شیطانی خطرات ہیں جو ناقص پیر کی زندگی کی راہ سے آکر طالب کو حق سبحانہ سے ہٹائے رکھتے ہیں، جس جگہ بھی ہدایت اور دل جمعی پائے بلا توقف ادھر رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگنی چاہئے۔

تشریح:

یہ تشریح طلب بات ہے، غور سے سمجھیں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی طرف سے درمیان میں کوئی باتیں شامل کر لیں۔

کوئی آدمی پہلے پیر کو چھوڑ کر دوسرے پیر کے پاس جا رہا ہے۔ اس صورت میں پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کیوں جا رہا ہے؟ وجہ کیا ہے؟ تین وجہیں ہو سکتی ہیں: (1) کیا اس کا اپنا قصور ہے؟ (2) پیر کے ساتھ مناسبت نہیں ہے۔ (3) پیر ناقص ہے۔

اگر اس کا اپنا قصور ہے، مثلاً بات ہی نہیں مان رہا۔ پیر ہدایات دے رہا ہے،

سمجھا رہا ہے۔ پیر حق ہے، سب کچھ کر رہا ہے، لیکن یہ مان ہی نہیں رہا تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ دوسرے کے پاس جائے گا تو بھی یہی معاملہ ہو گا، کیونکہ اپنی طبیعت کو اپنے ساتھ ہی لے جائے گا، لہذا وہاں بھی ایسے ہی ہو گا۔ اس صورت میں اگر پیر حق ہے تو بالکل دوسرے پیر کے پاس نہیں جانا چاہئے، اپنے اوپر جبر کر کے اسی کے ساتھ اپنے آپ کو باندھے اور وہیں رہے۔ پیر کے حق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں شیخ کامل کے لحاظ سے کوئی عیب نہ ہو۔

اور اگر دوسری صورت ہے کہ پیر کے ساتھ مناسبت نہیں، کیونکہ بعض دفعہ ایسی بات ہوتی ہے کہ کسی کے ساتھ مناسبت زیادہ ہوتی ہے۔ مناسبت ایک ایسی چیز ہے، جس سے انسان کو تیزی سے فائدہ ہونے لگتا ہے۔ جس شیخ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے، مرید اس کی ہدایات و تربیت کو بآسانی اپنانا شروع کر لیتے ہیں، اس میں رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ پہلا پیر غلط ہے دوسرا حق ہے۔ بلکہ پہلا بھی حق ہے، دوسرا بھی حق ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ دوسرے کے ساتھ مناسبت زیادہ ہے۔

حضرت مجدد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ بات فرمائی ہے کہ مناسبت نہ ہونے کی صورت میں دوسرے پیر کے پاس جا سکتا ہے۔ جانا ضروری نہیں ہے، لیکن جا سکتا ہے۔ کیونکہ نہ شرعاً کوئی رکاوٹ ہے، نہ طریقت میں ایسی کوئی ممانعت ہے۔ اس کی وجہ بس یہ ہے کہ اس کی مناسبت دوسرے کے ساتھ زیادہ پائی گئی، جس کی وجہ سے اس کو وہاں فائدہ زیادہ ہو رہا ہے، لہٰذا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن جانا لازم نہیں۔

جب کہ پہلی صورت، جس میں مرید کا اپنا قصور ہو، اس صورت میں دوسرے کے پاس نہ جانا اور پہلے پیر کے ساتھ رہنا لازم ہے، پہلی صورت میں جب پیر حق پر ہے اور وجہ مرید کی اپنی کمزوری ہے، تب نہ جانا لازم ہے، دوسری صورت میں جانا جائز ہے البتہ لازم نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ پیر ناقص ہو۔ ناقص سے مراد یہ ہے کہ یا تو اس کی پوری تکمیل ہی نہیں ہوئی۔ مثلاً کوئی سجادہ نشین ہو جو صرف کسی شیخ کامل کا بیٹا

ہونے کی بنا پر پیر بن گیا ہو۔ سجادہ نشینوں میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ان کی تربیت نہیں ہوئی ہوتی، صرف اپنے والد کی گدی پہ بیٹھنے کی وجہ سے پیر بن جاتے ہیں۔ جیسے ڈاکٹر کا بیٹا، ضروری نہیں ہے کہ بغیر تعلیم کے ڈاکٹر بن جائے۔ اسی طریقے سے بغیر تربیت کے پیر کا بیٹا پیر بھی نہیں بن سکتا۔ سجادہ نشینوں کے ساتھ اکثر یہ مسئلہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی کسی ناقص سجادہ نشین سے بیعت ہوا، بعد میں اس کو کوئی اور شیخ کامل مل گیا تو جانا ضروری ہے اور لازم ہے، کیونکہ وہ پھنسا ہوا ہے، اِدھر اس کا کام خراب ہو رہا ہے۔ اس لئے اس کو چھوڑنا ضروری ہے۔

حضرت مجدد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے پیر ناقص کی ایک تعریف مکتوب نمبر 287 میں کی ہے جس پہ ہم نے کتاب ''حقیقتِ جذب و سلوک'' لکھی ہے۔ اس میں حضرت نے ایک بڑی عظیم مثال دی ہے کہ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کی زیارت کو جانا چاہتا ہے، اور اس کو خانہ کعبہ کا پتا نہیں ہے کہ خانہ کعبہ کیسا ہوتا ہے، وہ راستے میں خانہ کعبہ سے ملتی جلتی کسی عمارت کو دیکھ لیتا ہے کہ لوگ ادھر جمع ہیں، اور سمجھ لیتا ہے کہ شاید یہ خانہ کعبہ ہے، اور وہ وہیں پر ہی ٹھہر جائے تو یہ شخص عملاً بھی محروم ہے علماً بھی محروم ہے، اس کو علم بھی نہیں ہے اور اس کا عمل بھی صحیح نہیں ہوا۔ دوسرا شخص وہ ہے جو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں لیکن اس کو پتا ہے کہ خانہ کعبہ کیا ہے، اگر جاتا تو اس کو پتا چل جاتا، یہ شخص علماً محروم نہیں، عملاً محروم ہے۔ تیسرا شخص وہ ہے جو روانہ ہو گیا اور جانتا ہے کہ خانہ کعبہ کون سا ہے لیکن ابھی پہنچا نہیں، یہ علماً محروم نہیں ہے، عملاً محروم ہے لیکن پہنچ جائے گا، کیونکہ جا تو رہا ہے۔ اور چوتھا آدمی وہ ہے جس کو معلوم بھی ہے اور وہ پہنچ بھی چکا ہے، واصل یہی ہے۔ جو خود واصل ہے وہ دوسروں کو بھی واصل کرا سکتا ہے۔

اسی طرح جذب، سلوک پہ آنے کے لئے ایک ذریعہ ہے، لیکن جذب کے اندر جو احوال تبدیل ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے بعض لوگ نادانی کے ساتھ سمجھ لیتے ہیں کہ شاید ہمارا سلوک بھی طے ہو گیا، اس پر اطمینان کر کے اپنے آپ کو کامل سمجھ لیتے ہیں اور کبھی کبھار شیخ بھی بن جاتے ہیں۔ یہ شیخ خود بھی نہیں پہنچا دوسروں کو بھی نہیں پہنچا سکتا، ایسے شیخ کو چھوڑنا لازم ہے کیونکہ یہ ناقص ہے۔

لہٰذا پہلا، جو سجادہ نشین ہے اس کے ساتھ بھی ایسی بات ہے، لیکن وہ اس وجہ سے ہے کہ اس کا باپ پیر تھا لہٰذا یہ بھی پیر بن گیا۔ دوسرا شخص راستہ پہ تو آ گیا تھا، لیکن اپنی غلطی کی وجہ سے راستہ میں ہی ٹھہر گیا اور صحیح جگہ نہیں پہنچا، یہ دوسرے کو کیسے سمجھا سکتا ہے۔ ان کے بارے میں حضرت نے فرمایا کہ راستے کے ڈاکو نہ بنیں، ہاں اگر سمجھانا چاہے تو منتہی مرجوع کا پتا دے سکتے ہیں کہ فلاں کے پاس جاؤ۔ ان (مجذوب متمکن) میں مسائل یہ ہوتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی توجہ کی قوت زیادہ ہوتی ہے، ان کی طرف لوگ زیادہ راغب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: متوسطین، لوگوں کے لئے زیادہ جاذب نظر ہوتے ہیں، مبتدی اور منتہی جاذب نظر نہیں ہوتے، ان کی طرف رجوع نہیں ہوتا، رجوع متوسط کی طرف ہوتا ہے، کیونکہ متوسط پہ جذب کی حالت طاری ہوتی ہے، چونکہ جذب میں کشش ہوتی ہے، اس لئے وہ لوگوں کو بھی کھینچتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ کوئی بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کا بیٹا فوت ہو گیا اس کو اطلاع ہو گئی کہ آپ کا بیٹا فوت ہو گیا ہے، اس پر وہ کہے الحمد للہ۔ اور دوسرے کسی آدمی کو اطلاع ہو گئی کہ تمہارا بیٹا فوت ہو گیا، تو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ لوگ کس کو بڑا بزرگ سمجھیں گے؟ ظاہر ہے پہلے کو سمجھیں گے۔ حالانکہ وہ متوسط ہے، یہ دوسرا کامل ہے۔

یہ تمیز ہر ایک نہیں کر سکتا۔ لہٰذا لوگ ایسے لوگوں کی طرف بہت زیادہ آتے ہیں جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کے بیانات میں بھی یہ چیز زیادہ ہوتی ہے۔ بیان میں یوں کہتے ہیں کہ جس کی نظر اپنی جیب پر ہو، اللہ پر نہ ہو، اس کا کلمہ صحیح نہیں ہے، مثلاً وہ کسی جگہ جا رہا ہے، اگر اس کی نظر اپنی جیب پر ہو گی کہ میرے پاس پیسے ہیں یا نہیں ہیں، تو اس کا کلمہ کامل نہیں ہے۔

ایسی باتیں کرنے والے سے لوگ زیادہ متاثر ہوں گے، حالانکہ یہ مجذوبیت ہے کمال نہیں ہے۔

مجذوبیت سے نکل کے عبدیت پہ آنا کمال ہوتا ہے۔ عبدیت میں عاجزی پائی جاتی ہے، اپنی کمی اور نقص کا ادراک پایا جاتا ہے، اپنے آپ کا کچھ نہ ہونا پایا جاتا

ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اور حکم پر عمل کرنا پایا جاتا ہے، جیسے حکم ہو، "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔" اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے اس پر خوش ہے کہ میں بچے کی وفات ہونے پہ روؤں تو میں روؤں گا، اگر اس پر خوش ہے کہ میں ہنسوں تو میں ہنسوں گا، میری اپنی کوئی رائے نہیں۔ یہ عبدیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف فرشتوں کو بطور پیغمبر نہیں بھیجا، انسانوں کو بھیجا، کیونکہ انسانوں کو انسانوں کے ساتھ اُنس ہے۔ فرشتوں کے ساتھ انس نہیں ہو سکتا، فرشتوں کے ساتھ تو نفس ہے ہی نہیں۔ اگر وہ کسی کی طرف نظر نہیں کرتے تو یہ ان کا کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ نفس ہو لیکن خدا کے ڈر کی وجہ سے نفس کے تقاضوں پر عمل نہ کیا جائے۔

ایسی عبدیت کاملین میں ہوتی ہے مجذوبوں میں اونچی اونچی باتیں ہوتی ہیں، جذب کا اظہار ہوتا ہے، وہ اپنی طرح سب لوگوں کو مجذوب بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ مقصد مجذوب بنانا نہیں ہے، بلکہ مجذوب بننے سے بچانا ہے۔

مجھے اپنے شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) کا طریقہ یاد ہے کہ حضرت مجھے ذکر نہیں دیتے تھے۔ بہت تھوڑا سا ذکر دیا تھا، بڑھایا نہیں، میں نے ذکر بڑھانے کا کہا تو فرمایا: تمہارے پاس وقت ہے؟ میں چپ ہو گیا، بعد میں پتا چلا کہ حضرت کو پہلے ہی میرے احوال سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر اس کو زیادہ ذکر دیا جائے گا تو یہ مجذوب ہو جائے گا، اس لئے مجھے دور دور رکھا، اور جو ان کے نزدیک مناسب طریقہ تھا وہ اختیار کیا، یہی کمال ہے۔

الغرض مجذوبیت کمال نہیں، وہ سلوک کے لئے ایک ذریعہ ہے، اصل چیز سلوک طے کرانا ہوتا ہے، اگر سلوک طے کرانے کے لئے جذب حاصل کیا جائے تو ٹھیک ہے، مثال کے طور پر کوئی لوہے کو صرف گرم کرنے کے لئے ہی گرم کرے، تو کوئی فائدہ نہیں، لوہا گرم کرنا تو کمال نہیں ہے، گرم کر کے اس کو کوئی شکل دینی ہوتی ہے، جو اس کو شکل دیے بغیر چھوڑ دے تو اس نے صرف وقت ہی ضائع کیا اور لوہے کی طاقت بھی بلا وجہ ضائع کر دی، ایسے لوگوں کے پاس نہیں جانا چاہئے۔

دفتر دوم کے مکتوب نمبر 75 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

متن:

ذکرِ مقبول اور شیخ مقتدا سے حاصل کیا ہوا ذکر صلوۃ وسلام بھیجنے سے افضل ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصود حق سبحانہ و تعالیٰ کی یاد ہے اور اجر کی طلب طفیلی اور تابع ہے اور درود میں اصلی مقصود طلب حاجت ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے، پس وہ فیوض جو ذکر کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو پہنچتے ہیں، جاننا چاہئے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا اور جو ذکر قبولیت کے لائق ہے وہی اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہے اور جو ذکر ایسا نہیں اس پر درود شریف کو فضیلت ہے اور درود شریف ہی سے برکات حاصل ہونے کی زیادہ امید ہے، لیکن جو ذکر طالب کسی کامل شیخ سے اخذ کرے اور طریقے کے شرائط و آداب کو مد نظر رکھ کر اس پر مداومت کرے وہ (ذکر) درود شریف پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر (یعنی قبولی ذکر) نہیں کرے گا۔کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر نہیں کرے گا اس ذکر تک نہیں پہنچ سکے گا۔

تشریح:

اس چیز کو سمجھانے کی بڑی ضرورت ہے۔یہاں پر ایک بہت ہی باریک نکتہ ہے۔ مثلاً میں ذکر کرتا ہوں اور ذکر کی وجہ سے اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگا ہوں تو یہ ذکر مقبول نہیں ہے۔

اگر میں نماز پڑھوں تو یہ اللہ کا حکم ہے، فرض ہے، پورا کرنا پڑے گا چاہے جیسے بھی ہو، لیکن قبولیت تب ہو گی جب انسان اس کو صحیح شرائط کے ساتھ پڑھے گا، صرف اللہ کے لئے پڑھے گا، اس میں کوئی اور نیت شامل نہیں ہو گی، ریا یا کوئی اور چیز شامل نہیں ہو گی، قبولیت تب ہو گی، اسی طرح ذکر مستحب ہے لیکن کیا اس کی قبولیت کے لئے ریا سے خالی ہونا ضروری نہیں ہوں گا؟ جب فرض کی قبولیت

کے لئے ان سب لوازمات (ریا وغیرہ سے خالی ہونا) کا ہونا ضروری ہے تو مستحب کی قبولیت کے لئے تو بدرجہ اولیٰ ان لوازمات کا ہونا ضروری ہو گا۔

اب اگر ذکر اس طرح کیا جائے کہ وہ مقبول ذکر بن جائے تو اس ذکر کی قیمت بہت زیادہ ہو گی۔ ذکر مقبول تب بنتا ہے جب انسان کی نظر اپنے سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ پہ آ جائے۔ اور ایسا علاجی ذکر سے ہوتا ہے، جب کہتے ہیں "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ"۔ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "۔ لَآاِلٰہَ میں اپنی نفی ہے اور اِلَّا اللّٰہُ میں اللہ پاک کا اثبات ہے، جب ہم اپنی نفی کرتے کرتے واقعی اپنے آپ کو منفی کر دیں کہ ہم تو کچھ بھی نہیں ہیں، تب یہ ذکر مقبول بن جائے گا، اس سے نماز حقیقی نماز بن جائے گی، روزہ اصل روزہ بن جائے گا، حج مقبول حج بن جائے گا۔ اس سے ہمارا مستحب ذکر بھی مقبول ذکر بن جائے گا، قرآن پاک کی تلاوت بھی ماجور تلاوت بن جائے گی۔ الغرض ہماری ہر چیز اللہ کے لئے ہو جائے گی۔ اب بتاؤ یہ ذکر کتنا قیمتی ہو گا جو سب چیزوں کو ایسا قیمتی اور مقبول بنا دے۔

یہی حضرت نے فرمایا ہے کہ ذکرِ مقبول کو حاصل کرنے کے لئے جو ذکر وسیلہ ہے وہ درود شریف سے بھی افضل ہے، کیونکہ درود شریف بھی اسی کے ذریعے قیمتی بنے گا۔

متن:

کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر نہیں کرے گا اس ذکر تک نہیں پہنچ سکے گا یہی وجہ ہے کہ مشائخ طریقت قدّس اللّٰہُ تعالیٰ اسرارَھُم نے مبتدی کے لئے ذکر کرنے کے علاوہ اور کچھ تجویز نہیں کیا ہے اور اس کے حق میں صرف فرائض و سنن کو کافی سمجھا ہے اور نفلی امور سے منع کیا ہے۔

تشریح:

سبحان اللہ! یہ بہت عجیب بات ہے۔ یہ صرف مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہہ سکتے ہیں ہم لوگ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ہم لوگ کہیں گے تو لوگ ہمیں جوتے ماریں گے۔ کیونکہ حضرت کا مقام اتنا اونچا ہے کہ وہ یہ بات کر سکتے ہیں کہ بھئی تو نے نفل نہیں پڑھنے، ہم کہیں گے تو لوگ کہیں گے یہ کون سا بزرگ آ گیا ہے؟ یہ تو

نوافل سے روک رہا ہے؟ کیوں روک رہا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث (رحمۃ اللہ علیہ) نے فضائل ذکر میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک بہت بڑے عالم کسی بزرگ سے بیعت ہوئے، انہوں نے ان کو ذکر سکھایا "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اور فرمایا فرائض و اجبات کے علاوہ باقی سارے کام چھوڑ دو، صرف یہ ذکر کرو۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت کو اطلاع ہوئی کہ وہ عالم صاحب قرآن پاک کا درس دیتے ہیں۔ حضرت نے پیغام بھیجا کہ یہ قرآن کا درس بھی فی الحال موقوف کر دو، لوگوں میں چہ میگوئیاں تو پہلے سے ہی شروع تھیں کہ یہ کیسے پیر ہیں جنہوں سارے نیک کام بند کرا دیئے ہیں، لیکن جب یہ بات ہوئی پھر تو یقین ہو گیا کہ یہ تو کوئی زندیق آدمی ہے۔ اتنا بڑا عالم قرآن کا درس دے رہا تھا اور انہوں نے چھڑوا دیا، یہ تو بڑا زندیق ہے۔ لوگوں نے کہا یہ پیر بھی زندیق ہے اور مرید بھی زندیق ہے۔ لیکن پیر بھی مخلص تھا مرید بھی مخلص تھا۔ انہوں نے لوگوں کی پروا نہیں کی وہ اپنا کام کرتے گئے حتی کہ ایک وقت آ گیا کہ اس ذکر نے اپنا اثر دکھایا۔ جب اثر دکھایا تو حضرت نے فرمایا: اب قرآن پاک کا درس دو۔ وہ عالم خود فرماتے ہیں کہ پہلے جب میں قرآن پاک کا درس دیتا تھا تو جو قرآن کے معانی اور تفسیریں کتابوں میں پڑھی تھیں یا استاذوں سے سنی تھیں اور سیکھی تھیں، وہی بیان کرتا تھا، لیکن اب جب میں نے قرآن کھولا تو ایک ایک لفظ کے اندر علوم و معارف کے سمندر نظر آ رہے تھے۔ باطنی آنکھ کھل گئی تھی۔

لہٰذا اگر وقتی طور پر دوسرے معمولات کو بند کر دیا جاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ ان کو بند کرنا مقصود ہوتا ہے، بلکہ اس لئے کہ اصل چیز کھولنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ ضروری ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی اس قسم کی بات ہے کہ بعض دفعہ مشائخ نوافل و مستحبات اور سنن زوائد وغیرہ وقتی طور پر موقوف کروا دیتے ہیں، تاکہ ان کو وہ چیزیں حاصل ہو جائیں، جس کے ذریعہ سے ان کی ساری چیزیں قیمتی بن جائیں۔

اہل ذکر کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ اس کا پتا اہل ذکر کو دیکھ کر یا ان کی مجلس میں بیٹھ کر چلتا ہے، دفتر اول کے مکتوب نمبر 92 میں ذکر کی ترغیب یوں دیتے ہیں۔

متن:

"اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (الرعد: 13 آیت: 28) (خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) اطمینان قلب حاصل ہونے کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے نہ کہ نظر و استدلال (قرائن و دلائل) بیت

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چونیں سخت بے تمکیں بود

(بحث بے جا ہے فقط کٹھ حجتی کاٹھ کے پاؤں میں دم خم کچھ نہیں)

چونکہ ذکر اللہ کے ذریعے حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ (ذکر کو) اس پاک ذات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (خاک کو پروردگار عالم کے ساتھ کیا نسبت ہے) لیکن ذاکر (ذکر کرنے والا) اور مذکور (جس کا ذکر کیا جائے) کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا سبب بنتا ہے اور جب محبت غالب ہوگئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں ہے اور جب معاملہ دل کے اطمینان کے حصول تک پہنچ گیا تو اس کو ہمیشہ کی دولت حاصل ہوگئی۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان ست
پاکئ دل ز ذکر رحمٰن است

(جان جب تک ہے ذکر کرتا رہ دل کی پاک خدا کے ذکر سے ہے)۔

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَآخِرًا۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ ذکر انسان کو اللہ کے ساتھ ملا دیتا ہے۔

ہمارے شیخ مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے ایک ساتھی کو باتوں باتوں میں فرمایا: ''ذکر کرتا رہ، ذکر سے سب کچھ ہوتا ہے۔'' یہ بات ہم نے سن لی اور تقلیدی طور پہ مان لی، تحقیقی طور پر نہیں. ایک خواہش موجود تھی کہ اس کو

تحقیقی طور پر بھی پا لیں، معلوم کر لیں کہ وہ کیا ہے، یہ سب کچھ کیسے ہوتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا کہ: ﴿لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾

ایک دن ایسا ہوا کہ میں قرآن پاک پڑھ رہا تھا کہ یہ آیت سامنے آئی: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرہ: 152)

ترجمہ: "لہٰذا مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔"

بس میں سمجھ گیا کہ کیا بات ہے۔ جب دونوں نے ایک دوسرے کو یاد کیا تو جانبین سے جانبین کا تعلق ہو گیا، ذاکر ذکر کر رہا ہے، جس کے جواب میں مذکور اس کو یاد کر رہا ہے، یہی تعلق ہے جس کے بارے میں حضرت نے فرمایا کہ ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جائے۔

حتیٰ کہ حدیث شریف میں باقاعدہ وضاحت کے ساتھ یہ آیا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا ذکر کسی مجمع میں کرتا ہے، اللہ بھی ان سے بہتر مجمع فرشتوں کی مجلس میں اس کو یاد فرماتا ہے کہ یہ میرا بندہ ہے ذکر کر رہا ہے، اور اگر وہ تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ بھی اس کو اپنے پاس یاد کرتا ہے۔

کچھ احادیث شریفہ بہت ساری احادیث شریفہ کی تشریح کرتی ہیں، اگر ایسی حدیثیں یاد ہوں تو بہت ساری باتیں سمجھ میں آ جائیں۔ ان میں سے ایک یہ حدیث قدسی بھی ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: جو میری طرف ایک بالشت برابر چلتا ہے، میری رحمت اس کی طرف دو بالشت برابر چلتی ہے، جو میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے، میری رحمت اس کی طرف دو ہاتھ جاتی ہے، جو میری طرف چل کے آتا ہے، میری رحمت اس کی طرف دوڑ کے جاتی ہے۔

اب اگر آپ اللہ کو یاد کر رہے ہیں، تو اس کے جواب میں اللہ پاک بھی آپ کو یاد کریں گے، لیکن وہ یاد کرنا آپ کے یاد کرنے سے بہت بہتر ہو گا، اس سے تمہارے دنیا اور آخرت کے مسائل حل ہو رہے ہوں گے، وہ ذات یاد کرنے کے لائق ہے، تُو نہ بھی یاد کرتا وہ پھر بھی یاد کرنے کے لائق تھا، تیرے یاد کرنے سے وہ یاد کرنے کے لائق نہیں ہوا، تو کچھ بھی نہیں ہے، لیکن جب اللہ تجھے یاد کرتا ہے تو تُو بہت کچھ بن جاتا ہے۔ یہ اصل بات ہے اور بہت بڑی بات ہے۔ اگر ہم لوگ

اس بات کو یاد رکھیں، میرے خیال میں آدمی سرشار ہو جائے کہ اللہ مجھے یاد کرتا ہے، حضرت یہی بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ اللہ پاک سے ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

دفتر اول مکتوب 93 میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے اور سنن مؤکدہ بجا لانے کے بعد اپنے تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے ذکر میں مصروف رکھنا چاہئے اور اس کے سوا کسی چیز میں مشغول نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ کھانے اور سونے کے اوقات ہوں یا آنے جانے کے اوقات (پس کسی وقت میں بھی ذکر سے غافل نہ ہونا چاہئے)۔ ذکر کا طریقہ آپ کو سکھایا ہوا ہے اسی طریقے پر عمل کرتے رہیں اگر جمعیت اور ذکر میں خلل پائیں تو پہلے خلل کا سبب معلوم کرنا چاہئے پھر اس کے بعد کوتاہی کا تدارک کرنا چاہئے اور نہایت عاجزی و آہ و زاری سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر اس ظلمت کے دور ہونے کی دعا مانگنی چاہئے اور جس شیخ (پیر و مرشد) سے ذکر حاصل کیا ہے اس کو وسیلہ بنانا چاہئے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُیَسِّرُ کُلَّ عَسِیْرٍ (حق سبحانہ و تعالیٰ ہر تنگی و مشکل کو آسان کرنے والا ہے)۔

تشریح:

کچھ باتیں ایسی ہیں جو ہمارے بڑے حضرات شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ)، حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) اور کاکا صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے علاوہ جو بڑے بڑے حضرات ہیں، انہوں نے برملا کی ہیں۔ ان کو وہ باتیں کرتے ہوئے ذرہ بھر بھی جھجک نہیں ہوئی۔ آج کل لوگ ان باتوں کے کرنے سے محتاط ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا غلط استعمال بہت زیادہ عام ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے حضرات برملا یہ باتیں نہیں کرتے، لیکن حق بات تو وہی ہے۔

جیسے حضرت نے فرمایا کہ جب کوئی مشکل ہو تو اپنے مرشد کے وسیلہ سے اللہ پاک سے دعا مانگے۔ کیا آج کل کوئی اس طرح کہہ سکتا ہے؟ کہے گا تو لوگ پتا نہیں کتنی باتیں بنا لیں گے۔ کیونکہ آج کل ہر چیز بگڑی ہوئی ہے، آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ لوگ ایک طرف غلط مطلب نکال لیتے ہیں، دوسری طرف صحیح مطلب پر بھی

غلط مطلب کا گمان کر لیتے ہیں۔ بات تو یہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ جل شانہ ہی دیتا ہے، لیکن دینے کے لئے اللہ پاک نے دروازے بنائے ہوئے ہیں، ان دروازوں کے ذریعہ سے دیتے ہیں، ان کھڑکیوں کے ذریعہ سے دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی ہوشیار آدمی ہو تو کھڑکی کے سامنے کھڑا ہونے میں اس کو کوئی عار نہیں ہو گی، چونکہ اس کے پیچھے جو دینے والا ہے اصل میں تو وہی ہے۔

ابتدائی دور کی بات ہے، ایک خاتون مجھ سے بیعت ہوئی تھی۔ بعد میں کافی لوگ بیعت ہوئے۔ ایک دن اس کا ٹیلیفون آیا، کہنے لگی: شاہ صاحب اب تو آپ سے کافی لوگ بیعت ہو گئے ہیں، اب تو ہم بہت پیچھے چلے گئے ہوں گے۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ آپ کی نظر اس پر کیوں گئی ہے؟ دیکھیں کسی کو پچاس افراد کے mess کا mess manager بنایا جائے تو اس کو پچاس پیکٹ ملتے ہیں، وہ پچاس پیکٹ تقسیم کرے گا۔ اگر اس پچاس والے mess manager کو ہزار ممبران کا mess manager بنایا جائے، تو اس کے پاس ہزار پیکٹ ہو جائیں گے۔ تو کیا خیال ہے کسی کو کم ملے گا؟ کہتی ہیں کہ میں بات سمجھ گئی ہوں۔

بھئی دینے والے کی بات ہے، وہ جو دے رہا ہے اصل میں تو وہی ہے، درمیان والا خود تو کچھ بھی نہیں دے سکتا، دیتا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن آپ نے کس سے لینا ہے، آپ نے mess manager سے لینا ہے، mess manager اصل دینے والے سے لے رہا ہے، distribution تو اسی کی ہے، جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ" (بخاری شریف، حدیث نمبر: 71)

ترجمہ: "میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، اور اللہ پاک عطا فرمانے والے ہیں۔"

یہی چیز آگے چلتی ہے۔ آپ ﷺ کی اتباع کے سلسلے میں وہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔ اس طرح یہ تقسیم ہوتا ہے۔ جن کے ہاتھوں اللہ تقسیم کرواتا ہے وہ اس کے کچھ اصول و ضوابط وضع کر لیتے ہیں اور ان اصول و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہیں تو لوگ اس کو شرک سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ شرک تو اسے کہتے ہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ یہی دے رہا ہے۔ یہاں تو آپ کو یقین ہے کہ وہ نہیں دے رہا، وہ اس کے حکم سے لے کے آپ کو دے رہا ہے، اسے ذریعہ بنایا جا رہا ہے، اس میں کوئی شرک

نہیں ہے۔ کیا ذریعہ بننا شرک ہے؟ ذریعہ بننا شرک نہیں ہے، البتہ اگر آپ اس کے ساتھ شریک بنا رہے ہیں اس طور پر کہ چاہے یہ دے دے چاہے وہ دے دے تو یہ درست نہیں۔ کوئی اور نہیں دے سکتا، لیکن اصل دینے والا وہ جس ذریعہ سے بھی دے دے یہ اس کی مرضی ہے، وہ مختارِ کل ہے۔

میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ ذرا باریک بات ہے پتا نہیں میں سمجھا سکوں گا یا نہیں۔

مثلاً کوئی سیّد پیدا ہوا۔ اس میں اس کا کوئی کمال نہیں۔ اگر وہ سیّد سمجھے کہ میں بڑا باکمال ہوں تو یہ اس کی غلطی ہے۔ اللہ نے اس کو سید پیدا کر دیا تو بس شکر کرے۔ شکر کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اگر ان کو بعض دوسرے لوگوں کے لئے ادب کی جگہ بنا دیا، تو یہ ان کو ان کے ذریعہ سے مل رہا ہے، اس پہ اس کو انکار بھی نہیں کرنا چاہئے اور خود اپنے آپ کو اس کا اہل بھی نہیں سمجھنا چاہئے۔

بعض لوگوں کو اس کے ساتھ حسد ہو جاتا ہے۔ حسد کی وجہ سے ان کے دماغ میں طرح طرح کی باتیں آتی ہیں۔ ان باتوں کا عنوان یہ ہوتا ہے کہ اللہ بہت بڑے ہیں۔ ایسے لوگ عنوان بہت اچھا بناتے ہیں، لیکن وجہ حسد ہوتی ہے۔ مثلاً وہ شخص خود سیّد ہوتا تو کیا یہ باتیں کرتا۔ پھر وہ یہ باتیں نہ کرتا۔ اب حسد کی وجہ سے کر رہا ہے۔ حسد کی وجہ سے جو بات ہو گی وہ کیسی ہو گی؟ حسد انتہائی درجہ کی ذلیل حرکت اس لئے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پہ اعتراض ہے، ایسے لوگ پھر کہاں جائیں گے۔

سید کی مثال کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہ مثال اس لئے دی کیونکہ سید ہونے میں کسی کا اپنا کوئی کمال نہیں ہے۔ ورنہ اصل میں بات شیخ کی ہو رہی ہے۔ شیخ بننے میں تو محنت بھی ہے، انتخاب بھی ہے، اللہ کا فضل بھی ہے، سارا کچھ اس میں شامل ہے۔ یہی بات مشائخ کے ساتھ بھی ہو جاتی ہے، حسد ہو جاتا ہے، مشائخ کو اللہ پاک کسی خیر کے لئے ذریعہ بناتے ہیں تو کچھ لوگوں کو اس پہ تکلیف ہوتی ہے، اس تکلیف کا اظہار مختلف عنوانات سے ہوا کرتا ہے، لیکن چونکہ وہ حسد کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے غلط ہوتی ہے، اگر حسد کی وجہ سے نہ ہو تو پھر کوئی مسئلہ نہیں، لیکن

حسد کی وجہ سے ہے تو حسد بذات خود بہت بری چیز ہے اس کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے۔ اس پر میں نے غزل بھی کہی ہے۔ حج کے موقع پہ منیٰ کے مقام پر کوئی میرے پیر دبا رہا تھا، بعض لوگوں کو اس سے تکلیف ہو رہی تھی، اس پر میں نے اسی وقت غزل کہی، بعض لوگوں کو واقعی تکلیف ہوتی ہے، کوئی اپنے شیخ کی خدمت کرے تو کہتے ہیں یہ کیا ہے؟

یقین جانیے میرے ساتھیوں کو پتا ہے۔ ان سے پوچھ کے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ میں کسی کو اپنے پیروں کے قریب بھی نہیں آنے دیتا تھا۔ سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا کہ کوئی میرے ہاتھ پاؤں کی چاپی کرے۔ بڑی سختی تھی۔ پھر اللہ پاک نے ایک بات کھولی کہ بعض لوگوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ اب میں ان کو منع کر کے کیسے ان کے فائدہ کو روکوں؟ ظاہر ہے میں خود تو کچھ بھی نہیں ہوں لیکن اگر ان کو فائدہ ہو رہا ہے تو میں کیسے ان کو روکوں؟ پھر میں نے اعتراض کرنا چھوڑ دیا۔ لیکن (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) یہ نہیں کہ میں ان کا محتاج ہوں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اللہ تعالیٰ بہت دینے والے ہیں، ساری چیزیں خود براہ راست دیتے ہیں۔ لیکن اللہ پاک نے نظام ایسا بنایا ہوا ہے کہ بعض لوگوں کو کسی طریقے سے دیتے ہیں، بعض لوگوں کو کسی اور طریقے سے دیتے ہیں۔ جس کو جس طریقے سے دیتے ہیں، کم از کم آپ رکاوٹ تو نہ بنیں۔

وہ غزل درج ذیل ہے:

کوئی پیروں کی کرے خدمت مرید
اس سے بعضوں کو ہو تکلیف شدید

کرتے خدمت ہیں وہ خدا کے لئے
ان کے واسطے ہو یہ اک ضربِ حدید

ایک بات ہے یہ، پیر واقعی ہو پیر

پھر نہ کر فکر اس میں کوئی مزید
نثار ہوتے صحابہ حضور پر
ہوتی اس کی ہے احادیث سے تائید

پیر اور عالمِ رسول کے وارث
ہے محبت کا یہ ایک دورِ جدید

گر صحیح پیر سے تعلق نہ ہو تو
پھر تو شیطان کرے مٹی پلید

ہو اگر باعث اس کا حسد شبیر!
چھوڑ ان کو پھر یہ ہے قولِ سدید

یعنی پھر ان کی بات چھوڑو، جو جتنا بھی کہنا چاہے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ اس وقت ہے کہ کوئی صحیح بات ہو، جس میں پیر غلط ہو، یا اس سے خدمت غلط طریقہ سے ہو، خلافِ سنت طریقہ سے یا کسی ایسے طریقہ سے جس سے گناہ لازم ہوتا ہے، پھر ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ گناہ کسی انسان کے لئے بھی رَوا نہیں۔ اللہ نے گناہ سے روکا ہوا ہے۔ لہٰذا ہم کسی انسان کے لئے گناہ تو نہیں کر سکتے، لہٰذا اگر اس میں گناہ نہ ہو، تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۝

مقاماتِ قطبیہ ومقالاتِ قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

آج کل درس بھی بڑا عجیب ہے، یہ کتاب حضرت کے صاحبزادہ نے لکھی ہے، اس میں حضرت نے کافی چیزوں سے پردہ اٹھایا ہے۔

متن:

شیخ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے پیر کے مشاہدات کی تجلیات سے ظاہر ہوا ہے، اگر ان میں سے کسی حرف کا اظہار کر دوں تو وہ تمام دینی علوم جو لوگ سیکھ چکے ہیں اور جو لوگوں کو پیش آ چکے ہیں اور جو کچھ رسومات وغیرہ سے سیکھ چکے ہیں، وہ سب کچھ باطل اور غلط سمجھیں گے اور اپنی ہستی کو نیستی اور پستی میں تصور کریں گے۔ اور مزید فرمایا کہ اس فقیر کو ہر وقت یہ الہام پہنچایا جاتا ہے اور مجھے کہا جاتا ہے، بیت:

چو تو سرنائے منی بے دم من نالہ مکن
تا چوں چنگت نتوازم زنوا ہیچ مگوئی

پھر انہوں نے فرمایا اور میں نے اُس الہام کے جواب میں کہا کہ، بیت:

آتش زدی و گفتی کہ مرا ہیچ مگوی
ہم چو گل خندہ زد گفت در آتا بینی
ہمہ آتش سمن برگ کتان ہیچ مگو
دست خود را برگزیدم کہ فغان از غم تو
گفت من زان قوام اوست فغان ہیچ مگو!

"مجھ کو آگ لگا کے کہہ دیا کہ کچھ نہ کہوں۔ پھول کی طرح ہنس پڑا اور کہا،

کہ آؤ دیکھ لو تم، آگ ہے اور برگ کتان (یعنی آگ اور روئی کا ملاپ ہے) تم بیچ میں کچھ نہ کہو۔ میں نے غم و غصے سے اپنا ہاتھ کاٹا، اس نے کہا کہ میں تجھ سے ہوں اور آہ و فغان کچھ نہ کرو "

مطلب یہ کہ قرآن کے یہ کئی ہزار اسمائے مبارکہ جو ہیں، تم ظاہری کانوں اور سماعت سے نہیں سن سکتے۔ اگر سماعتِ باطنی رکھتے ہو یا اس کو فراہم کر سکتے ہو تو "حٰمٓ عٓسٓقٓ" کے عالم میں کئی نام پوشیدہ ہیں تو تب ان اسمائے مبارکہ کو سُن سکو گے اور اس رمز کے بارے میں سرور عالمین ﷺ نے فرمایا ہے: "إِقْرَءِ الْقُرْاٰنَ وَتَفَتَّشْ غرَايِبَهٗ" (لم أجد هذا الحديث) قرآن مجید پڑھا کرو اور اُس کے غرائب کی تلاش کرو" مگر قرآن کریم کے غرائب تلاش کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں، یہاں تک کہ تو "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ" (روح البيان، رقم الصفحة: 403/1 دار الفكر، بيروت) کے کتب خانے تک رسائی حاصل کرے گا اور اُس وقت استاد "أَرِنِيْ رَبِّيْ" کے مکتب خانے میں یعنی اچھی صورت میں تجھے ادب سکھائے گا اور قرآن کو بلا کسی واسطے کے تمہارے دل پر نقش کرے گا کہ ﴿وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق: 5-3) تم اس کتب خانے میں یہ سیکھو گے کہ ﴿نٓ وَالْقَلَمْ﴾ (القلم: 1) کیا ہے؟ اور یہ سب کچھ تم پر جلوہ نما ہو کر تم سیکھ جاؤ گے۔

پس اے میرے محبوب! حروفِ مقطعات اسی سبب سے گویا ہیں کہ وہ محبان الٰہی کے ساتھ راز و نیاز کی پوشیدہ باتیں کریں کہ اُن کے مطالب و معانی اور اسرار و رموز سے فرشتے اور عالمِ ملکوت سرگرداں و پریشان ہیں۔ اور نا محرم لوگ حروف کے لباس کے اندر اطلاع نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "الٓمٓ، الٓمٓرٰ، كٓهٰيٰعٓصٓ يٰسٓ، صٓ، نٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ، طٰهٰ، الٓمٓصٓ" یہ سب احدیت کے نشان ہیں کہ کوئی بھی نا محرم اور اجنبیٔ ظاہر مبین اللہ تعالیٰ کے اُن اسرار سے جو کہ محمد مختار ﷺ کے ساتھ ہیں، مطلع نہ ہو سکے۔ اگر کسی کو آگاہی حاصل ہو تو وہ صرف وہ لوگ ہوں کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساغر محبت کے جرعہ نوش ہوں۔ بیت:

گر سرو سہی در ہمہ قامت خوانم
در آہوئے افتادہ بہ دامت خوانم
زیں ہر سہ بگو تا بہ دامت خوانم
کز رشک نخواہم کہ می خوانم

اگر تجھ کو تیری قامت زیبا کی وجہ سے سر و سہی کہوں، یا تجھ کو آپ کے دام میں اسیر آہو کہوں اِن تینوں میں تم ہی کہو کہ میں تجھے کس نام سے پکاروں، کیونکہ میں رشک کی وجہ سے نہیں چاہتا کہ تجھے تیرے نام سے پکاروں۔

پس حروف مقطعات کو عالمِ سِر میں مجمل کہتے ہیں اور مفصل آیت: ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَه﴾ (المائدۃ: 54) میں آیا ہے۔ مجمل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ﴾ (القصص: 51) اور مفصل کے متعلق یہ بیان ہوا ہے کہ ﴿فَصَّلْنَا الْآيَاتِ﴾ (الانعام: 97) معانی کے حقائق کے ساتھ سہل و آسان کرے۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر: 17) بے چارے اہل ظواہر یعنی ظاہر بیں علماء قرآن کے پڑھنے اور قرآن کریم کی چند ظاہر چیزوں کو جاننے کے بعد اپنے آپ کو اہل اللہ، خاصۃ العلماء اور ورثۃ الانبیاء سمجھنے لگے ہیں، اور اصل میں اہل اللہ اور انبیاء کرام کے وارث وہ لوگ ہیں جو کہ کلام اللہ کی حقیقت تک رسائی حاصل کر چکے ہوں کہ ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ﴾ (النساء: 82) اِن سے حاصل ہوتا ہے، اور قرآن کریم بھی اِن کو قبول کرتا ہے، کیونکہ یہ لوگ ان اوصاف کے حق دار اور اہل ہیں، اور وہ محبوب یقینی طور پر یہ بات جانتا ہے کہ جب تک تجھے قرآن کریم قبول نہیں، تو معانی کی یہ حقیقت کبھی بھی بیان نہیں کی جا سکتی کیونکہ دلہن کی ملاقات قبول کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح معانی قرآن کی عروس (دُلہن) جس نے اس محبوب کو قبول کیا ہے، تم اس کی جلوہ گری اُس طرح دیکھو گے جیسا کہ محمد حسین نے اس زیبائش اور حسن کی مشاطہ گری کی ہے۔ یاد رکھو! کہ قرآن کریم کسی نا محرم اور اجنبی کو شرفِ قبولیت عطا نہیں کرتا اور وہ کسی اجنبی کے ساتھ بات تک بھی نہیں

کرتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے حسن و جمال کے جلوے اور حسین جلوے شراب محبت کے اُن مستانِ ازل کو دکھانے سے دریغ نہیں کرتا جو کہ اُن جلوہ ہائے حسین و ہوش ربا کے اہل ہوں۔ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق: 37) ''اس میں سوچنے کی جگہ ہے اُس کو جس کے اندر دِل ہے یا لگائے کان دِل لگا کر ''

اور شیخ محمد حسین نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص حقائقِ قرآنی سے آگاہی حاصل کرے تو اس کا کم ترین مقام یہ ہوتا ہے کہ قرآن اس شخص کو جنت میں پہنچا کر دم لیتا ہے۔ پس ذرا غور کرو! کہ اس سے اعلیٰ مقام اور کیا ہو گا؟ لیکن یہ بات یاد رکھ! اس مقام کی ابتدا اس سے ہو گی کہ قرآن کریم تجھ سے کلام کرے اور اپنا حسن و جمال تجھ کو دکھائے۔ اس کے بعد جو کچھ تم سمجھ پاؤ گے وہ اتصالات ہونگے، یعنی وہ مضامین قرآن کے اندرونی فضائل و محاسن کے بارے میں ہوں گے، اور انفصالات تجھ سے رخصت ہو جائیں گے یعنی کوئی بات جو قرآن مجید کے مضامینِ حسن سے جدا اور علیحدہ ہو وہ تم سے کوسوں دور ہو جائے گی۔ اور اس ابتدا کی انتہا کوئی نہیں، اور ابد الآباد تک اس کی انتہا نہیں، لیکن تم یہ معلوم نہیں کر سکو گے کہ قرآن بس یہاں ہے، جب تک کہ تو ﴿فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ (البينة: 3) کے اشارے اور غمزے مشاہدہ نہ کرے۔ اور علمائے ظاہر نے تو ظاہر پر قناعت کی ہے وہ قرآن کے چھلکے اور پوست کو تو دیکھتے ہیں مگر اُس کے مغز کی لذت اور ذائقہ سے آشنا نہیں کہ "إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللهِ" (المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب فضائل القرآن، باب: أخبار فى فضائل القرآن جملة، رقم الحديث: 2040) یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا سجایا ہوا دستر خوان ہے۔ اور حسن بصری نے اِس مقام پر فرمایا ہے کہ "أُنْزِلَ الْقُرْآنُ لِيُعْمَلَ بِهِ وَاتَّخَذَ النَّاسُ قِرَاءَتَهُ وَدَرْسَهُ عَمَلًا" یعنی قرآن کریم کے نزول کی غرض و غایت یہ ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے، مگر لوگوں نے اس کی قرأت، تلاوت اور درس کو عمل بنا کر رکھا۔ صُمٌّ (کان نہیں رکھتے) بُكْمٌ (گونگے ہیں) قرآن کیسے پڑھیں گے؟ عُمْيٌ (اندھے ہیں) اِن کی آنکھیں نہیں ہیں، آیت مُبارکہ کے حُسن و جمال کو دیکھ کر کیا لطائف حاصل کریں گے؟ اور ان لوگوں کا

تعارف اور تعریف بس یہی ہے کہ ﴿لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (الحج: 46) ''سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، لیکن اندھے ہو جاتے ہیں دِل جو سینوں میں ہیں'' یعنی اِن کے دِل کی آنکھیں اندھی، دِل کی زبان گونگی اور دِل کے کان بہرے ہیں۔

تشریح:

یہ قرآن پاک کے بارے میں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو مراقبات بیان کئے ہیں ان میں سے ایک مراقبہ حقیقتِ قرآن ہے، یعنی قرآن کی حقیقت کسی پہ کھل جائے، قرآن کی حقیقت کیسے کھلے گی؟ قرآن کے ساتھ الفاظ ہیں، الفاظ کے ساتھ معانی ہیں، اور معانی کے پیچھے حقیقت ہے۔ کچھ حضرات صرف الفاظ جانتے ہیں، جیسے حفاظِ قرآن ہیں، یا ناظرہ پڑھتے والے، ان کی پہنچ یہیں تک ہوتی ہے۔ کچھ حضرات الفاظ کے معانی بھی جانتے ہیں، لہذا وہ معنی بتا سکتے ہیں۔ اور کچھ حضرات ان کے پیچھے کی حقیقت بھی جان لیتے ہیں، لیکن یہ حقیقت علمی چیز نہیں ہے، یہ معرفت الہٰی کے قبیل سے ہے۔ لہذا اس کو عملی طور پر حاصل کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً آپ کے سامنے ایک کتاب ہے، اگر آپ کی آنکھیں کھلی ہوں تو آپ اس کو پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کی آنکھیں کھلی ہوئی نہیں ہیں تو پھر سب سے پہلے آنکھوں سے پٹی ہٹائیں گے۔ جب پٹی ہٹ جائے گی تو آپ اس کو پڑھنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ یہ جو دل کی آنکھوں پہ پٹی ہے، یہ نفس کی ہے، لہٰذا جب تک نفس کی یہ پٹی ہمارے دلوں کے اوپر ہے، ہمارے دلوں کے کان بہرے ہیں، ہمارے دلوں کی آنکھیں اندھی ہیں، ہمارے دلوں کی زبانیں گونگی ہیں۔ اس لئے ہم اپنے دل سے کام نہیں لے سکتے، کیونکہ اس پر نفس کی خواہشات کی پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ جب ہم نفس کی خواہشات کی پٹیاں کھول دیتے ہیں تو کوئی نیا قرآن نہیں آئے گا، قرآن یہی ہو گا، لیکن اس کے ساتھ جو متصل چیزیں ہیں وہ آپ کو پتا چلنا شروع ہو جائیں گی۔ یہ بہت عجیب بات ہے۔ یہی چیزیں ہوتی ہیں جو صاحبِ نسبت علماء محققین کو اس ذریعے سے حاصل ہوتی ہیں۔ جیسے حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب میں واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک بہت بڑا عالم کسی بزرگ سے بیعت ہوا،

تو اس بزرگ نے کہا کہ آپ فی الحال ساری چیزیں چھوڑ دیں، صرف نماز پڑھیں اور "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا ذکر کریں۔ چند دنوں کے بعد حضرت کو پتا چلا کہ وہ قرآن پاک کا درس بھی دیتا ہے، حضرت نے اس سے بھی روک دیا۔ اس پر لوگ بڑے غضب میں آ گئے اور کہا کہ کمال ہے! یہ کیسا پیر ہے جو قرآن سے روکتا ہے اور یہ کیسا مرید ہے جو ان کی ایسی باتیں بھی مانتا ہے! یہ مرید بھی زندیق ہے اور پیر بھی زندیق ہے۔ ان پر یہ فتویٰ لگا دیا۔ لیکن پیر بھی مخلص تھے اور مرید بھی مخلص تھے، لہذا ان کو لوگوں کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا، وہ اپنے کام میں لگے رہے۔ جب اللہ پاک نے اس پہ فضل کیا اور اس کی آنکھیں کھول دیں اور "لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی حقیقت اس پر واضح ہو گئی، تو اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب درس دیا کرو۔ وہ عالم فرماتے ہیں کہ پہلے جب میں قرآن پڑھاتا تھا تو اپنی یاداشت سے صرف وہی چیزیں پڑھا سکتا تھا جو میں نے پڑھی ہوئی تھیں۔ اور اب جو میں نے پڑھنا شروع کیا تو ہر لفظ کے پیچھے علوم کے سمندر نظر آ رہے تھے۔ یہ علوم کا سمندر کیا چیز ہے؟ یہ وہ چیز ہے جس وقت آنکھیں بینا ہو جائیں تو پھر نظر آتا ہے۔ جب تک وہ آنکھیں بینا نہ ہوں اس وقت تک یہ چیزیں نظر نہیں آتیں۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا کہ کچھ اسماء الحسنیٰ جو قرآن میں موجود ہیں، اور حروف مقطعات، اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان راز ہیں، لیکن جن پہ اللہ تعالیٰ کھولنا چاہتے ہیں ان پہ کھول دیتے ہیں، تاہم اس کی زبان پہ مہر لگا دیتے ہیں کہ آپ نے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ کیوں کہ جس محنت سے تو نے سیکھا ہے، یہی محنت دوسروں کو کرنی پڑے گی، پھر ان کو ملے گا۔ یہ کوئی علمی چیز نہیں ہے، یہ عملی چیز ہے، اس کو عملی رکھا جاتا ہے۔ اگر کسی کو مل بھی گیا تو وہ آگے نہیں بتا سکتا۔

ایک دفعہ ایک بڑے آدمی نے کہا کہ مجھے کسی نے لا جواب نہیں کیا، صرف باندی نے مجھے لا جواب کر دیا۔ ایسے لا جواب کیا کہ وہ تھالی میں کوئی چیز لے جا رہی تھی، اور وہ تھالی ڈھکی ہوئی تھی، میں نے اس سے پوچھا کہ اس کے اندر کیا ہے؟ اس نے کہا: اگر بتانا ہوتا تو پھر ڈھکنے کی کیا ضرورت تھی! یہ جو ڈھکی ہوئی ہے اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ بتانا نہیں چاہتی۔ بالکل یہی بات ہے کہ کوئی کتنی ہی کوشش

کر لے، کسی کا راز اس کو نہیں بتانا چاہئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرمایا کہ وہ دوست دوستی کے قابل نہیں ہے جو دوست کا راز نہ رکھ سکے۔ دوست کا راز رکھنا لازم ہے، تبھی کسی کو یہ چیزیں ملتی ہیں۔

ہمارے مشائخ نے ہمیں یہاں تک فرمایا کہ بعض دفعہ لوگوں کو کچھ غیر معمولی خواب آ جاتے ہیں تو وہ شوق میں دوسرے لوگوں کو بتاتے ہیں، جس سے وہ خواب آنا بند ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس نے اس لائن کی بے ادبی کی ہے، اس کو جو چیز عطا ہوئی تھی، وہ کیوں اس نے ایک نا اہل پہ پیش کر دی۔ بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی نا اہل کو کچھ دیتا ہے تو وہ نعمت چِھن جاتی ہے۔ نا اہل سے مراد یہ ہے کہ ابھی تک وہ اس چیز کو حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوا، اس کے لئے جتنی محنت کی ضرورت ہے، وہ محنت ابھی اس نے نہیں کی ہے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے

مے یہ ملی نہیں ہے یوں، قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں، مے میری مفت کی نہیں

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، بڑی محنت کرنی پڑتی ہے، اور وہ محنت یہ ہے کہ نفس کو قابو کرنا پڑتا ہے، نفس کی پٹیاں دل سے ہٹانی پڑتی ہیں۔ اگر کسی کی نفس کی پٹی نہیں ہٹی ہوئی اور آپ نے وہ چیز اس کو بتا بھی دی، تو اس کو فائدہ نہیں ہو سکے گا۔ صرف علمی طور پر اس کو وہ بات معلوم ہو جائے گی، لیکن اس کے اندر جو حقیقت ہے وہ اسے نہیں دیکھ سکے گا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ اس پہ بد گمانی کرے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آنکھیں چاہئیں ہوتی ہیں، اس کے پاس وہ آنکھیں نہیں ہیں۔ اگر کوئی اندھا ہے اور اس کو بتایا جائے کہ دیکھو! سامنے سرخ عمارت کھڑی ہے، وہ جان تو لے گا کہ سرخ عمارت کھڑی ہے، لیکن وہ دیکھ نہیں سکے گا۔ لہذا یہ علم صرف تقلیدی طور پر ہو گا، تحقیقی طور پر نہیں ہو گا۔ وہ صرف یہ کہہ سکے گا کہ یہاں کوئی چیز کھڑی ہے۔ کیونکہ اس کو بتایا گیا ہے، لیکن اس کے آگے پیچھے کچھ ہو تو وہ نہیں بتا سکے گا،

کیونکہ اس کی آنکھیں کھلی نہیں ہیں، آنکھیں اندھی ہیں۔ اسی لئے آدمی کو وقت سے پہلے ایسی چیزوں کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے، جب اللہ تعالیٰ دینا چاہتے ہیں تو دے دیتے ہیں، پھر آپ نہ بھی لینا چاہیں، تو بھی دے دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس کا کام ہے کہ کس کو دیتے ہیں اور کس کو نہیں دیتے۔ بہرحال خود کو ان چیزوں کا اہل بنانا پڑتا ہے اور اہل بننے کے لئے نفس کے پردے ہٹانے پڑتے ہیں۔ دل کی آنکھوں پہ، دل کے کانوں پہ، دل کی زبان پہ جو پردے ہیں، جب تک وہ نہیں ہٹیں گے، اس وقت تک آپ چیزیں نہیں دیکھ سکتے۔ چاہے آپ کو کوئی علمی طور پر بتا بھی دے، لیکن وہ صرف آپ کی علمی معلومات ہوں گی، لیکن تحقیقی معلومات نہیں ہوں گی۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک بہت بڑے عالم تھے جو نمازوں کے اوقات کے اور سحر و افطار کے نقشے بنایا کرتے تھے، میں ان دنوں ایسے لوگوں کے پیچھے پھرا کرتا تھا کہ کوئی ہو تو میں ان سے سیکھوں، پوچھتے پوچھتے ان کے پاس بھی پہنچ گیا۔ حضرت نے ما شاء اللہ بہت اکرام کیا، چائے منگوائی۔ میں نے ان سے پوچھا: حضرت! یہ آپ نے جو نقشہ تیار کیا ہے، کیسے تیار کیا ہے؟ کہا: بیٹا! سامنے پنڈی کے لئے جو نقشہ لگا ہوا ہے، اس میں مغرب کا جو وقت ہے اس کے ساتھ میں تین منٹ جمع کرتا رہا ہوں اور سحری کے وقت میں یعنی صبح صادق کے وقت میں دو منٹ منفی کرتا رہا ہوں۔ میں نے کہا: حضرت! آپ اس فن کے مقلد ہیں یا محقق ہیں؟ یہ عجیب سوال تھا، شاید کسی نے ان سے پہلے اس طرح کا سوال نہ کیا ہو گا۔ انہوں نے کہا: میں تو مقلد محض ہوں۔ کیونکہ دیوبند مسلک کے بہت بڑے آدمی تھے، مخلص تھے۔ میں نے کہا: حضرت آپ مقلد بھی نہیں ہیں، انہوں نے کہا کیسے؟ میں نے کہا حضرت مقلد کے لئے خود سوچنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس کو جیسے بتایا جاتا ہے اس کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔ یہاں لکھا ہے کہ افطاری کے لئے پانچ منٹ جمع کر لو اور سحری کے لئے پانچ منٹ منفی کرو۔ جب کہ آپ نے دو منٹ منفی کیے اور تین منٹ جمع کیے ہیں، تو آپ نے اس میں جو تصرف کیا ہے، وہ کس دلیل سے کیا ہے؟ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ اس نقشے والے کے پاس دلیل ہے یا نہیں لیکن چونکہ وہ محقق ہیں، لہذا ان کی بات تو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن آپ کے پاس

کون سی دلیل ہے؟ حضرت فوراً سمجھ گئے۔ فرمایا بیٹا: میں آئندہ نقشہ نہیں بناؤں گا۔ اس کے بعد انہوں نے نقشے نہیں بنائے۔ مقصد یہ ہے کہ مقلد تصرف نہیں کر سکتا، جو اس کو بتایا جاتا ہے، وہی اس کو سمجھنا ہوتا ہے۔ لیکن محقق کو نظر آ رہا ہوتا ہے، وہ اس کے اندر گہرائی تک جاتا ہے اور سوچتا ہے، اس میں جو جو حالات ہوتے ہیں، ان کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ یہ بہت ضروری بات ہے۔ لہٰذا اگر کسی کی پٹیاں ہٹانے والی کوشش غائب ہو تو وہ یہ چیزیں حاصل نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اِقْرَءِ الْقُرْاٰنَ وَتَفَتَّشْ غَرَائِبَهٗ" (لم أجد هذا الحديث)

ترجمہ: ''قرآن مجید پڑھا کرو اور اُس کے غرائب کی تلاش کرو''۔

لیکن اس کو تلاش کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے؛ کیونکہ اس کے لئے اپنے دل کو بنانا پڑتا ہے، اپنے نفس کو سنوارنا پڑتا ہے، جب تک یہ نہیں ہو گا، اس وقت تک اس کو یہ چیزیں نظر نہیں آئیں گی۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہمارے فقہاء بھی صاحبِ نسبت ہیں، نتیجتاً انہوں نے جو تفقہ فی الدین کیا ہے، اس میں وہ ایسی باریک باریک باتوں تک گئے کہ ان سے آج کل لوگ انکار کر رہے ہیں، کیونکہ ان کو یہ چیزیں سمجھ نہیں آتیں۔ جب سمجھ نہیں آتیں تو انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایسے نہیں ہے۔ مثلاً کتنی عجیب بات ہے، (اللہ پاک معاف فرمائے) ایک آدمی سنت نماز پڑھ رہا ہو گا، اس کے پیچھے ہاتھ باندھ کر فرض کی نیت کر لیں گے اور اس کے پیچھے فرض کی نماز شروع کر دیں گے، ابھی وہ ختم نہیں ہوئی ہو گی کہ دوسرے نے ہاتھ رکھ لیا اور اس کی نماز شروع ہو گئی۔ یہ کہاں ثابت سے ہے؟ کس طرح ہے؟ کچھ پتا نہیں۔ ساری اِدھر اُدھر کی باتیں ہیں، کچھ سمجھ نہیں آتا۔ ہر چیز کے اندر بس سطحی علم ہے۔ جب میں جرمنی میں تھا تو الحمد للہ وہاں عرب حضرات ہمارے ساتھ ہوتے تھے، ان کے ساتھ ہمارے حلقے ہوتے تھے اور جب کبھی کوئی مسئلہ ہوتا تو آپس میں الجھ پڑتے، سطحی علم تو ان کے پاس ہے، جب الجھ پڑتے تو میں ہاتھ کھڑا کر دیتا کہ "عِنْدِیْ تَعْلِیْقٌ"۔ وہ کہتے: کیا ہے؟ مجھے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ملفوظ یاد آ جاتا، وہ میں ان کو ترجمہ کر کے بتا دیتا، تو دونوں اس پر متفق ہو جاتے، اور کہتے: "عِنْدَكَ الْحَقُّ يَا شَيْخُ" اور یہ تقریباً ہر ہفتے ہونے لگا، ان لوگوں

نے سمجھا کہ شاید میں کوئی بڑا علامہ ہوں، مجھے ہر چیز کا جواب معلوم ہے، مجھے شیخ کہنے لگے اور کافی قدر کرنے لگے۔ اس لئے مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں ان کو اصلی بات سمجھاؤں۔ میں نے جب ان کو اصلی بات سمجھائی، تو ابو حمام ایک صاحب تھے جو دارین یونیورسٹی کے پروفیسر تھے، وہ آئے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: بالکل صحیح کہتے ہیں، ہمیں خود معلوم ہے کہ اصل علم اہلِ ہند کے پاس ہے، ہمارے پاس صرف سطحی علم ہے۔ یہ دارین یونیورسٹی کے پروفیسر ابو حمام کی رائے ہے۔ اور کہنے لگے کہ آپ ہمیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی کی کتابوں کی لسٹ دے دیں تاکہ ہم ان کو اپنی لائبریری کے لئے لے سکیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تو صاحبِ نسبت تھے۔ انہوں نے تفسیر کی ہے، دوسرے حضرات بھی تفسیر کرتے ہیں، تفسیرِ مظہری کو لے لیں، اس میں کیسی عجیب اور گہری گہری باتیں ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ یا ان جیسے اور حضرات ہیں۔ لہٰذا جن جن حضرات نے اپنے نفس کے اوپر محنت کی ہے اور اپنے نفس کو سنوارا ہے، ان کا علم اور ہے۔ بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ قرآن پڑھنا بھی ایک پیغام ہے، اگر صاحبِ نسبت قاری نماز میں قرآن کی تلاوت کر رہا ہو تو اس کے پیچھے سب نماز پڑھنے والوں کو فائدہ ہو گا، اور ان میں اس کی نسبت کا اجرا ہو گا اور لوگ محسوس کریں گے۔ کیونکہ وہ ہر ہر آیت کا حق ادا کرے گا، اس کو پتا ہو گا کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور اللہ کا کلام پڑھ رہا ہوں اور اللہ کا کلام کیا ہے! اور اس کے لئے کیسے ہونا چاہیے، اپنے آپ کو کیسے بنانا چاہیے؟ وہ جب قرآن پڑھتا ہے تو اس کی بات اور ہوتی ہے۔ اور جو لوگ لوگوں کے لئے پڑھتے ہیں، اگرچہ لوگ واہ واہ تو کریں گے، لیکن اثر نہیں لیں گے۔ واہ واہ اور بات ہے، اثر لینا اور بات ہے۔ اثر ان سے لیا جاتا ہے جو صاحبِ عمل ہیں، جو صاحب تقویٰ ہیں، تقویٰ والے کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ دل کے اندر جاتی ہے، کیونکہ تقویٰ دل میں ہوتا ہے۔ چونکہ تقویٰ دل میں ہوتا ہے، لہٰذا جو بات دل سے نکلتی ہے وہ اثر رکھتی ہے۔ لہٰذا تقویٰ والے کی بات دل پر اثر کرتی ہے۔ اور جو تقویٰ والا نہیں ہوتا، آپ یقین جانیے اس کی بات کے متعلق آپ خود کہیں گے کہ بات کا اثر نہیں ہو رہا۔ ایک دفعہ ہمیں اس کا احساس

ہوا۔ اب وہ دونوں حضرات دنیا سے تشریف لے گئے ہیں، لیکن بہرحال بتانا ضروری ہے، حضرت مولانا حسن جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم تو تھے، لیکن ان دنوں ابھی تصوف کی طرف نہیں آئے تھے، ایک دفعہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے، ان کے پاس جب حضرات آتے تھے تو ان میں جو علماء ہوتے، حضرت ان سے بیان کرواتے تھے، مولانا حسن جان صاحب سے بیان کروایا، لیکن وہ سیٹ نہیں ہو رہا تھا، انہوں نے خود بھی درمیان میں صاف کہہ دیا کہ میں اس کوچے کا آدمی نہیں ہوں۔ بہرحال سیٹ نہیں ہو رہا تھا اور حضرت کا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ پھر جب مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو حضرت نے ان سے بھی فرمایا کہ آپ بیان فرمائیں۔ حضرت نے تھوڑی ہی دیر بیان کیا تو سبحان اللہ تھوڑی ہی دیر میں سب کے دل متاثر ہو گئے۔ وجہ یہ تھی کہ پیچھے سے زور تھا۔ چنانچہ جب انسان دل سے بات کرتا ہے تو وہ بات اثر رکھتی ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور بزرگ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ بیان کریں۔ جب انہوں نے بیان کیا تو کچھ لوگ تیلیاں توڑ رہے ہیں، کوئی پتوں کو پرو رہے ہیں، کوئی کیا کر رہے ہیں، کوئی کیا کر رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نیچے آ جاؤ۔ حضرت خود بیٹھ گئے۔ اور فرمایا: "میں نے تہجد کے وقت اپنے پاس دودھ رکھا ہوا تھا کہ اس سے سحری کروں گا، بلی آئی اور اس کو لات ماری اور دودھ گر گیا"۔ سب لوگ زار و قطار رونے لگے۔ ان کا بیٹا حیران ہو گیا۔ بعد میں پوچھا کہ ابا جان! کیا بات ہے؟ آپ نے کوئی علمی بات تو نہیں کی، کیونکہ یہ کوئی علمی بات ہے نہیں۔ میں نے تو علم میں آسمان اور زمین کی قلابے ملا دیئے، لوگوں پہ اثر نہیں ہو رہا تھا اور ادھر ادھر دیکھ رہے تھے، انہیں کوئی پروا ہی نہیں ہو رہی تھی۔ آپ نے ایک عام سی بات کی، جس میں کوئی علم تو نہیں ہے، کہ بلی آ گئی اور اس نے دودھ گرا دیا، اس میں کون سی کوئی خاص بات ہے۔ حضرت نے فرمایا: بیٹا! تو زبان سے بات کرتا ہے، فقیر دل سے بات کرتا ہے۔ چنانچہ بے شک آپ مانیں یا نہ مانیں، لیکن اپنے پاس نوٹ کر لیں دنیا داروں کی زبان سے جو بات نکلتی ہے، وہ بے شک دین کی بات کیوں نہ کر رہے ہوں،

اس میں دنیا ہوتی ہے، اور دین دار، اللہ والے، متقی حضرات کی زبان سے اگر آپ دنیا کی باتیں بھی سنیں گے تو اس میں بھی دین ہو گا، اس سے بھی دل بنے گا، دل کے پردے کھلیں گے۔ آج کل اس چیز کی قدر نہیں ہے۔

ہمارے ایک چچا زاد کو دوسرے چچا زاد بھائی، حاجی عبدالمنان صاحب کے پاس لائے کہ شاید کچھ سیکھ لیں۔ مغرب سے عشاء تک بیٹھا رہا، جاتے وقت کہا کہ ہم نے کیا حاصل کیا؟ میرے کزن کہنے لگے کہ اس بیچارے کو کیا پتا کہ ہم نے کیا حاصل کیا۔ اس کو حاصل کرنے کا پتا ہی نہیں ہے کہ کیا حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل صحیح بات ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بچہ ہوتا ہے کہ ایک طرف موتی جو گوہر کی شکل میں ہو، اور دوسری طرف ٹافی ہو، بچہ موتی نہیں لے گا بلکہ ٹافی لے گا۔ کیونکہ اس کی پہنچ یہیں تک ہے۔ اس لئے دنیا دار ہر چیز سے دنیا لیتے ہیں، جہاں کہیں اہل اللہ ان کو نظر آئیں تو ان سے بھی کوئی دنیا لینا چاہتے ہوں گے کہ مجھ پر دم کر دیں، کوئی کہتا ہے میرے لئے دعا کر دیں، کوئی کہتا ہے میرا بیٹا بیمار ہے، اس کے لئے دعا کر دیں، کبھی کچھ اور کہتے ہیں۔ ہمارے پاس ایسے لوگ آتے ہیں، سب یہی باتیں کرتے ہیں۔ لہٰذا دنیا دار انسان بہترین چیز سے بھی بد ترین کام لیتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ ایک صاحب ایک قیمتی چادر کے ساتھ اپنا بوٹ صاف کر رہے تھے، کسی نے کہا کہ یہ چادر تو بہت قیمتی ہے، آپ بوٹ ٹشو پیپر سے بھی صاف کر سکتے ہیں، برش سے بھی صاف کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا: وہ میرے اپنے ہیں اور یہ کسی اور نے دی ہے۔ جو چیز مفت ملتی ہے اس کی قدر نہیں ہوتی۔ یہی وجہ کہ بعض مشائخ جو مجاہدات کروانے کے بعد دیتے ہیں، اس میں بھی یہ حکمت ہوتی ہے کہ ان کو اندازہ ہو جائے کہ کتنی قیمتی چیز ہے۔ اور اگر ابتدا میں دے دیں تو ان کو قدر ہی نہیں ہو گی، وہ کہیں گے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

بہرحال فرمایا حروف مقطعات کے اندر علوم کے سمندر موجود ہیں۔ لیکن آپ ان کو سمجھنے کے قابل تو بنیں۔ فرمایا:

حروف مقطعات کو عالم سر میں مُجمل کہتے ہیں اور مفصل آیت: ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ: 54) میں آیا ہے۔

یعنی آپس میں محبت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ حضرت نے قرآن پاک سے اشارے دیئے ہیں۔ اصل میں اشاروں کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جن کا دل اتنا صاف ہو چکا ہو کہ ان کو میسیج مل سکتا ہو اور وہ میسج کو سمجھ سکتے ہوں۔ پھر ان کو اشارے بھی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ بہرحال حضرت نے فرمایا کہ اس میں غور کرنے سے ہی پتا چلے گا، ویسے عام لوگ جن کو ہم لوگ "وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ" کہتے ہیں، وہ صرف الفاظ کی حد تک ہوتے ہیں، وہ الفاظ کی حد تک الفاظ کی نگرانی کرتے ہیں، وہ بھی بڑا کام ہے، کم کام نہیں ہے، لیکن بہرحال پیچھے جو حقیقت ہے، اس کی بات تو اور ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ (ق: 37)

ترجمہ: "یقیناً اس میں اس شخص کے لئے بڑی نصیحت کا سامان ہے جس کے پاس دل ہو، یا جو حاضر دماغ بن کر کان دھرے"۔

اللہ جل شانہ ہم سب کو یہ ساری چیزیں عطا فرما دے۔ یہ مضامینِ قرآن اگر سمجھ میں آ جائیں تو انفعالات ختم ہو جائیں گے۔ انفعال اسے کہتے ہیں کہ پہلے انسان کے اندر ایک انفعال آتا ہے، ایک تحریک ہوتی ہے، پھر تحریک سے ما شاء اللہ وہ چیز establish (قائم) ہوتی ہے اور آگے عمل میں آتی ہے۔ لیکن جب علم پکا ہو جاتا ہے تو انفعالات درمیان سے ختم ہو جاتے ہیں اور براہ راست اس اصل چیز پہ چلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ بالکل خالی خول ہیں۔ کیونکہ لوگ انفعالات کی بہت قدر کرتے ہیں، وہ اچھل کود کی بہت قدر کرتے ہیں۔ جو اچھلتے کودتے ہیں ان کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑا پیر ہے، یہ بڑا بزرگ ہے۔ اور جو سادہ لوگ ہیں اور سادہ طریقے سے رہتے ہیں، ان کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ ان کو کیا آتا ہے؟ بات صحیح ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک بڑی عمدہ مثال دی ہے، فرمایا: ایک شخص کے پاس بھوکا کتا بیٹھا تھا اور وہ خود کھانا کھا رہا تھا اور رو رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا یہ کتا بھوکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے کھانے سے اسے کچھ کھلا دو۔ اس نے کہا: اتنی محبت نہیں ہے۔ ایک دوسرا آدمی ہے جس کو کچھ بھی

اثر نہیں ہوتا، نہ اس کی آنکھوں سے آنسو آتے ہیں، نہ کوئی اور اثر ہوتا ہے، مگر وہ فوراً اس کے لئے کھانا لے آتا ہے۔ یہ جو دوسرا آدمی ہے اس میں انفعال نہیں ہے بلکہ عمل ہے۔ ہم لوگ انفعالات پہ قربان ہو رہے ہوتے ہیں، جو کاغذی چھلکے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت مسرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرما رہے تھے، میں رو رہا تھا، مجھے فرمایا: اپنے آنسو میں سارا زور نکال لو، وقت تو لگاتے نہیں ہو، صرف رو لو، رونا بہت آسان ہے، چلو رو لو عمل تو کرنا نہیں ہے۔

واقعتاً بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان انفعالات میں ہی سارا زور نکال لیتا ہے اور اصل چیز پیچھے رہ جاتی ہے، اس کی طرف انسان نہیں جاتا۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ان انفعالات کے پیچھے نہیں جاتے، وہ اصل چیز کے پیچھے جاتے ہیں، ان کے ہاں درمیان میں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ ان کو براہِ راست چیز مل رہی ہوتی ہے۔

متن:

"إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللهِ" (المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب فضائل القرآن، باب: أخبار في فضائل القرآن جملة، رقم الحديث: 2040) یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا سجایا ہوا دستر خوان ہے۔

تشریح:

یہ قرآن زمین میں اللہ تعالیٰ کا دستر خوان ہے۔ پس جس کو لینا ہے، اس دستر خوان سے لے لے۔ اس کے اندر انواع و اقسام کے کھانے ہیں، انواع اقسام کی کیفیتیں ہیں، انواع اقسام کی چیزیں ہیں، لیکن اگر کوئی اس سے لینا چاہے گا تو لے لے گا۔ ورنہ یہ سب کچھ موجود ہو گا، لیکن کوئی لے نہیں سکے گا۔ اصل میں اس وقت بڑا مسئلہ یہی ہے کہ لوگ الفاظ پہ رک جاتے ہیں، اور کچھ لوگ آپ ﷺ کی محبت کے دعوے پہ رک جاتے ہیں، کچھ بزرگوں کے واقعات بیان کرنے پہ رک جاتے ہیں۔ بزرگوں کے ایسے ایسے واقعات بیان کریں گے جیسے کہتے ہیں آسمان نیچے لے آئیں گے۔ لیکن عمل دیکھو تو صفر ہے۔ یہ ساری چیزیں انفعالات ہیں۔ انفعالات کے پیچھے نہ جاؤ، اصل حقیقت کے پیچھے جاؤ، اصل حقیقت کے لئے عمل کرنا پڑتا ہے اور اس کے لئے طریقہ سیکھنا پڑتا ہے۔

متن:

﴿لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (الحج: 46) ''سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، لیکن اندھے ہو جاتے ہیں دِل جو سینوں میں ہیں'' یعنی اِن کے دِل کی آنکھیں اندھی، دِل کی زبان گونگی اور دِل کے کان بہرے ہیں۔

اللہ سب کو قرآن سے بہت زیادہ برکات عطا فرمائے، اور اس کے اندر جو حقیقی نعمتیں ہیں، اللہ جل شانہ ہم سب کو وہاں تک رسائی عطا فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

توضیح المعارف

﴿قسط نمبر: 13﴾

فلسفۂ سائنس اور معرفتِ الٰہی

﴿آٹھواں حصہ﴾

مسئلہ توحید کے متعلق مختلف نظریات:

یہ بات سب محققین کے نزدیک مسلم ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء چاہے اتنی بڑی ہوں کہ ہم اس کا سوچ نہ سکیں یا اتنی چھوٹی کہ ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں ،ان سب کا قیوم ایک ہی واحد شخصی وجود ہے، جس کو اوپر وجود منبسط کہا گیا، لیکن آگے کچھ ضمنی اختلافات پیدا ہوگئے۔

وجودیہ عینیہ:

کچھ صوفیاء حضرات وجودِ منبسط کے مشاہدے میں ہی اتنے گم ہوگئے کہ اپنے آپ کو بھی فراموش کردیا۔ وجودِ منبسط سے بالاتر مرتبہ لاہوت تک ان کی رسائی نہ ہوئی۔ ان کو وجودیہ عینیہ کہا جاتا ہے۔

وجودیہ عینیہ سے آگے بڑھنے والے محققین عارفین نے وجودِ منبسط سے آگے بڑھ کر لاہوت کو بھی نگاہ بصیرت سے دیکھا۔ پھر ایسے حضرات کے دو گروہ مشہور ہو گئے۔

وجودیہ ورائیہ:

یہ حضرات لاہوت کی عظمت و جلال کے انکشاف کی وجہ سے لاہوت ہی میں گم ہوگئے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اس گروہ کے امام ہیں۔ لاہوت میں وجودِ منبسط اور مخلوقات کے اضمحلال اور فنا کے ساتھ ساتھ مخلوقات اور ان کے خالق کے مواطن میں مغائرت کے لامتناہی خلیج کو بھی انہوں نے بھی محسوس کیا۔ یعنی اگرچہ ان کو حق تعالیٰ کی تنزیہہ کا بھی کمال حاصل تھا۔ لیکن لاہوت میں انہماک کی وجہ سے اس کی شرح و تفصیل ان سے کم ظاہر ہوئی ۔

بعد والے کچھ حضرات غلط فہمی کی وجہ سے وجودیہ ورائیہ اور وجودیہ عینیہ کے مقام میں فرق نہ کرسکے اور دونوں گروہوں کو ایک ہی نام وحدت الوجود سے موسوم کردیا۔

شہودیہ ظلیہ:

وجودیہ ورائیہ کی طرح ان کے نزدیک بھی اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ کا وجود یا لاہوت ہے باقی موجودات ظلی طور پر تجلی وجود کے طفیل موجود ہیں۔ پھر اصل اور ظل میں جو فرق ہے، اس فرق کے اظہار پر انہوں نے اپنی ساری توجہ صَرف کردی۔ اس لیے ان کو ظلیہ کہتے ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس جماعت کے امام ہیں۔

مندرجہ بالا عارفین کے دونوں گروہ (وجودیہ ورائیہ اور شہودیہ ظلیہ) کے حال کو سورج کی موجودگی میں ستاروں کے نظر نہ آنے کی تشبیہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ یعنی دیکھنے والے کو علم تو ہوتا ہے کہ ستارے ہیں لیکن سورج کی روشنی اتنی زیادہ ہے کہ نظر نہیں آتے۔

ان کو اس حال کے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں ایک تو یہ اللہ کے صفات اور اس کی قدرت کے مظاہر اور اس کی مخلوقات کی موجودگی کے انکار سے بحالت ہوش بچ جاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اللہ کے مخلوق کے حقوق کی ادائیگی خود اللہ تعالیٰ کے امر یعنی شریعت کے مطابق کرتے ہیں ۔

شیخ اکبر کا مسلک:

بظاہر ان کا مسلک وجودیہ عینیہ نظر آتا ہے لیکن ان کے پورے کلام کو اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو غلط فہمی دور ہوجاتی ہے۔ یہ وحدت پر نظر جمائے رکھنے سے کائنات کی کثرتوں کو اکثر اپنی نظر میں غائب پاتے ہیں۔ لیکن ان کثرتوں کو ذاتِ حق نہیں مانتے اور نہ ہی ان کو ذات حق کا عین سمجھتے ہیں۔ انہوں نے بعض مصالح کی بنیاد پر جن کی اس وقت زیادہ ضرورت تھی واقعہ کے ایک خاص پہلو کا اظہار و بیان زیادہ کیا۔ یعنی ان ساری کثرتوں کی قیومیت کا جو تعلق ذاتِ حق سے ہے اور یہ عالم جو ہمیں خارج میں نظر آتا ہے اس کا اور جو کچھ اس میں ہے، لاہوت نے ایک ہی وقت میں ان سب کا جو احاطہ کیا ہوا ہے اس کے بیان پر زیادہ زور دیا ہے تاکہ کائنات کی ساری کثرتیں اس ذات حق کی وحدت کے سامنے مضمحل نظر آئیں۔ لیکن ساتھ ساتھ اگرچہ قدرے کم

سہی لیکن اشارتاً یہ تنبیہ بھی کرتے چلے جاتے تھے کہ وہ ذاتِ حق ان تمام نقشوں سے پاک اور مقدس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ بھی (وَمَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً) (آل عمران:191) کے ساتھ ہی (سُبْحَانَكَ) فرماتے ہیں ۔ان کے اس اتحاد پر زور ہی ان کو وجودیہ عینہ دکھلا رہا تھا۔ آگے جاکے اس گروہ کے غالی لوگوں نے اس سے وہی مطلب لیا جس کا ڈر تھا۔ اس لئے بعد میں آنے والے محققین نے ان کا ابطال فرمایا لیکن اس میں حضرت شیخ اکبر کا کوئی قصور نہیں تھا جیسا کہ اہل تشیع کے خرافات میں حضرت علی کا کوئی قصور نہیں ۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مسلک:

جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ شیخ اکبرؒ کے بعض غالی معتقدین نے کثرت میں وحدت کو ایسا دکھایا کہ بجائے اس کے کہ کثرت میں وحدت نظر آئے اسی کثرت کو وحدت مانا گیا یعنی ہر چیز کو ذات حق کا عین مانا گیا۔ اس قسم کے اتحاد کی نفی ضروری تھی تو حضرت مجدد صاحب نے واقعے کا دوسرا پہلو جو ان سے مستور تھا خوب اجاگر کیا اور وہ ہے ذاتِ حق کی تنزیہہ جس سے خالق و مخلوق کا مؤطن میں اختلاف کی وجہ سے ان میں آپس میں جو مغائرت ہے اس کو خوب اجاگر کیا۔ جیسا کہ حضرت کا ملفوظ گزر گیا کہ حق تعالیٰ موجود ہے اور بغیر کسی وجود کے موجود ہے۔ حضرتؒ نے اس حقیقت کو تفصیل سے بیان کیا کہ اصل وجود اللہ کا ہے اور باقی موجودات ظلال ہیں اور عدم سے وجودی تجلی کے ذریعے عروج کر کے موجود ہوئے ہیں۔ ان کے وجود کو باطل نہیں کہا جاسکتا لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ان سب سے منزہ اور پاک ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کا مسلک:

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دونوں مسلکوں کو جمع کیا اور دیکھا کہ مختلف مصالح سے دونوں طرف کے بزرگوں نے ایک پر زیادہ اور دوسرے پر کم زور دیا ہے۔ حضرت نے دونوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ چونکہ دونوں باتیں صحیح ہیں اس لئے ان کو یکساں طور پر بیان کیا جائے، اگر ایک طرف یہ حق ہے کہ (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) (الشوری: 11) اور تمام مخلوقات اور موجودات سے حق تعالیٰ کی ذات کا منزہ اور مقدس ہونا حق ہے تو دوسری طرف تمام کثرتیں حق کے شیونات و صفات کے مظاہر ہیں۔ ایک میں اسمِ باطن کا ظہور ہے تو دوسرے میں اسمِ ظاہر کا اس لئے ہر دو کا حق ادا کرنا چاہئیے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی واقعی نوعیت:

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اصل نوعیت کیا ہے؟ کیا یہ نزاع لفظی ہے یا ان کی اپنی علیحدہ علیحدہ حقیقت ہے! اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو وجوہات سے ان کو سمجھنے میں مشکل پیدا ہوگئی تھی ایک یہ کہ بعض متاخرین میں ان کی حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت مفقود تھی، دوسری بات یہ تھی کہ غلبہ حال میں بعض بزرگوں کی زبان یا قلم سے کچھ ایسی باتیں نکلیں جس سے کج فہموں کو موقع مل گیا اور انہوں نے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ اس مسئلے کے دو پہلو تھے۔ حالات کے پیش نظر ایک فریق نے اس کے ایک پہلو کو اجاگر کیا اور دوسرے فریق نے اس کے دوسرے پہلو پر زور ڈالا جس سے ان دونوں کی آراء میں بعد بہت نمایاں ہوا لیکن اگر بنظر غائر دونوں فریقوں کے دلائل کو دیکھا جائے تو بات ایک نظر آتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں کی اپنی اپنی حقیقت ہے۔ وحدت الوجود میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار اتنا ہو جاتا ہے کہ مخلوق پر نظر بالکل نہیں جاتی اور مخلوق کے بارے میں سالک کو کچھ علم نہیں ہوتا۔ یہ بس ایک سُکر کا عالم ہوتا ہے جس میں سالک معذور ہوتا ہے، لیکن اس کو جب اس حالت سے آفاقہ ہو جاتا ہے تو پھر مخلوق کا بھی اس کو علم دوبارہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن خالق کا وجود اصل مانتا ہے اور مخلوقات کو ظلال کے طور پر جیسا کہ (وَمَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ) (آل عمران:191) میں اشارہ موجود ہے نیز اور اس کے بارے میں جو خالق کے احکامات ہوتے ہیں ان کا بھی اس کو ادراک ہوتا ہے جس سے وہ سب کے حقوق ادا کرتا ہے اور کامل ہوجاتا ہے۔ یہ صرف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق نہیں تھی بلکہ ان کے متقدمین کی بھی یہ تحقیق تھی۔ پہلی حالت کو وہ وحدت الوجود بالسکر کہتے تھے اور دوسری حالت کو وحدت الوجود بدون سکر کہتے تھے، البتہ بعد کے لوگوں نے اس میں فلسفیانہ طور پر زلیغ کو شامل کیا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤخر الذکر حالت کے لئے نئی اصطلاح وضع فرمائی جس کو وحدت الشھود کہتے ہیں جس سے کسی کا ذہن غلط طرف جاہی نہیں سکتا۔

حضرت اقدس نامی کتاب میں شیخ بدر الدین رقمطراز ہے کہ حضرت امام ربانی

فرماتے ہیں کہ کہ میرا آخری انکشاف یہ ہے کہ جس طرح صورتیں آئینے میں نظر آتی ہیں اسی طرح حق کے آئینے میں وجودِ منبسط کو میں پارہا ہوں اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت کی وفات کے وقت حضرت کے سرہانے کے نیچے سے جو کاغذ برآمد ہوا اس پہ اسی موخر الذکر تحریر کا خلاصہ تھا۔ اس کو اگر عارف جامیؒ کے اس شعر کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو کیا لطف ہے

كُلُّ مَا فِي الْكَوْنِ وَهْمٌ أَوْ خَيَالٌ
أَوْ عُكُوسٌ فِي الْمَرَايَا أَوْ ظِلَالٌ

شیخ صدر الدین قونوی فرماتے ہیں کہ ارباب تحقیق کے نزدیک یہاں اللہ اور عالم کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور عالم کے لفظ سے جن چیزوں کی تعبیر کی جاتی ہے وہ اللہ کی ان معلومات کی حقیقتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہیں جن کی پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ اللہ کی معلومات ہیں اور دوسرے درجے میں وہ وجود کی صفت سے موصوف ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں ۔

حق سے جو چیز سب سے پہلے صادر ہوئی ہے ہمارے نزدیک یہ وہی وجودِ منبسط ہے جو موجودات کے ہیاکل پر پھیلا ہوا ہے اور قلم اعلیٰ جسے ارباب عقل "عقل اول" کہتے ہیں اس میں اور ساری کائنات میں یہی وجودِ منبسط مشترک ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی نے بھی اپنے الفاظ میں تقریباً یہی بات فرمائی ہے کہ صورتیں جس طرح آئینے میں نظر آتی ہیں اس طرح حق کے آئینے میں میں وجودِ منبسط کو دیکھ رہا ہوں۔ حضرت کی تحقیق یہ ہے ہمارے لئے تو ہر ایک چیز کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کا علم پیدا ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ علیم ہے اس لئے اس کو ساری چیزوں کا پہلے سے علم ہے تو اللہ تعالیٰ کی جو معلومات ہیں ان کو جب اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ان پر تجلی وجودی ڈالتے ہیں جس سے وہ چیزیں جو ہمارے لحاظ سے عدم تھیں عروج کر کے ان معلومات کے ظلال کے طور پر موجود ہو جاتی ہیں۔

شھودیہ غیریہ:

جس طرح وجودیہ عینیہ خالق و مخلوق کے اتحاد کے نظریے کی طرف اتنے جھکے کہ مغائرت کی بات نہیں رہی بالکل اسی قسم کا سکر صوفیاء کی ایک مختصر جماعت کو ہوا کہ انہوں نے اتحاد کو بالکل خارج از بحث سمجھا اور محض مغائرت پر یقین کیا اور مخلوق کے لئے ایک ایسا جداگانہ ذات کے اثبات کے درپے ہوگئے جو خالق کی ذات سے بالکل جدا اور غیر ہے۔ ایسی صورت میں قیوم کے ساتھ امکانی حقیقت کی کوئی صورت نہیں رہی جیسے کوئی کہہ دے کہ تعین و تشخص کے بغیر ایک چیز موجود ہوگئی تو جیسے یہ ممکن نہیں اس لئے اس نظریے کو بھی حق سمجھنا ممکن نہیں۔ شاید اسی چیز سے بچانے کے لئے شیخ اکبرؒ کا نظریہ وجود میں آیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ:

وجودیہ، وحدت الوجود کی اصل حقیقت کو سمجھنے والے عارفین کو بھی کہا جاتا ہے اور ان لوگوں کو بھی جو وجودیہ ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور ان بزرگوں کے اصطلاحات کو تو استعمال کرتے ہیں لیکن ان کے احوال سے نہیں گزرے ہوتے اس لئے اہل حال نہیں ہوتے صرف فلسفہ بھگارتے رہتے ہیں اس لئے یہ گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ یا پھر گمراہی کے دھانے پر ہوتے ہیں۔ وجودی کہلانے والے عارفین کہتے ہیں کہ اصل میں اللہ تعالیٰ ہی موجود ہیں، ان کے مقابلے میں مخلوقات کی حیثیت ایک خیال کی سی ہے۔ جبکہ وجودی کہلانے والے گمراہ مفکرین سمجھتے ہیں کہ واقع میں کائنات موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کا وجود محض ذہنی یا abstract چیز ہے۔ یہ ایک جیسے کیسے ہوسکتے ہیں بلکہ یہ ایک دوسرے کے متضاد (opposites) ہیں۔

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی کے شب و روز

الحمد للہ، خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کے دروس و خطبات کا سلسلہ نہایت پابندی کے ساتھ جاری و ساری ہے جس سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے:

آج کی بات

روزانہ صبح بعد از نمازِ فجر تین مختصر بیانات ہوتے ہیں

درسِ قرآن

ریاض الصالحین سے ایک حدیث شریف کی تعلیم

مطالعہ سیرت بصورت سوال

جمعۃ المبارک:

کسی ایک مسجد میں جمعہ کا بیان

ختم قرآن، مجلسِ درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا (عصر اور مغرب کے درمیان)

ہفتہ:

حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سلوکِ سلیمانی'' اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تربیت السالک'' کا درس (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر)

بعد از عصر (ہفتہ) تا اشراق (اتوار) تک مرد حضرات کے لیے خانقاہ میں اصلاحی و تربیتی جوڑ ہوتا ہے، جس کے معمولات یہ ہیں: نمازِ عصر کے بعد جوڑ بیان اور مجلسِ ذکر میں شرکت، نمازِ عشاء کے بعد تراویح اور صبح نمازِ تہجد اور انفرادی معمولات، ختمِ قرآن اور نمازِ اشراق۔

اتوار:

(خواتین کے لیے اصلاحی بیان) دن 11 سے 12 بجے تک خانقاہ میں شرعی

پردے کے اہتمام کے ساتھ۔ نوٹ: ہر ماہ میں کسی ایک اتوار کو خانقاہ میں صبح 9 سے 12 بجے تک تین گھنٹے کا خواتین کیلئے اصلاحی و تربیتی خصوصی جوڑ ہوتا ہے۔

فرض عین علم کی تعلیم (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر)

انگریزی میں بیان (رات 8 بجے)

پیر:

پشتو میں بیان (رمضان شریف میں شام تین بجے)

اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ وٹس ایپ، ای میل اور ٹیلی فون پر موصول ہونے والے) سوالات کے جوابات (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر)

منگل:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب مثنوی شریف کے اشعار کا منظوم اردو ترجمہ اور ان کی تشریح (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر)

بدھ:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ سے درس (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر)

جمعرات:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سیرت النبی ﷺ'' سے درس (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر)

درود شریف کی مجلس (درودِ تنجینا ایک ہزار مرتبہ، اسکے بعد نعت شریف، چہل درود شریف کی سماعت اور مناجاتِ مقبول سے دعا)

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کر کے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناً فاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کر کے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے 0315 5195788

www.tazkia.org